لیکن تم جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہو بشرطیکہ خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے

رومیوں ۸ ، ۹

تسہیل علم الٰہی

یعنی

علم الٰہی کی تعلیم کا خلاصہ

من تصنیف پادری ڈبلیو۔ ڈی۔ کرٹنر ایم۔ اے۔ ڈی۔ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی

مترجم و مرتب پادری جے۔ این۔ بھٹی صاحب
پاسبان یونائیٹڈ چرچ آف نارتھ انڈیا
سٹی چرچ جھانسی۔ یو۔ پی

******

قیمت فی جلد ۲ آنے

فہرست مضامین

انٹروڈکشن

مُقدّمہ

ناظرین۔ اس رسالے کے جو کہ آپ کے ہاتھ ہے۔ مُصنّف پادری ڈبلیو۔ ڈی۔ کرٹنز (Curtis) ایم۔ اے۔ ڈی۔ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی ہیں۔ آپ امریکہ کی چیدہ ہستیوں اور تسلیم شدہ علماؤں میں سے ہیں۔

اس رسالے کے تمام مضامین علم الٰہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور علم الٰہی کو سمجھنا ذرا مشکل سی بات ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کتاب میں ان کو آسان اور روزمرہ کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان کے سمجھنے میں مطلقاً دقّت نہیں ہوتی۔ نیز ہمارا اس کتاب یعنی سہیل علم الٰہی کو شائع کروانے کا یہ مدعا ہے۔ کہ یہ مشن اسکولوں۔ سنڈے اسکولوں۔ کرسچن اینڈیور سوسائٹیوں اور کلیسیاؤں میں باقاعدہ اور بآسانی استعمال ہو سکے۔

کلیسیاؤں کے پاسبانوں سے ہماری التجا ہے۔ کہ وہ اپنی کلیسیا کے ہر ایک خواندہ شخص سے ہماری طرف سے درخواست کریں۔ کہ وہ اس کی ایک جلد خریدے۔ اور اپنی خاندانی عبادتوں اور نجی ضرورتوں کیوقت استعمال کرے۔ کلام مُقدّس کے مشکل مسائل اس میں اس خوبی اور خوش اسلوبی سے حل کئے گئے ہیں۔ کہ ہر ایک اس کو نہ صرف خود ہی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی سمجھا سکتا ہے۔ ہماری قوی امید ہے کہ اس کتاب کے ہمارے ہاتھ میں آ جانے سے ہمارے لئے صحیح اور

سکی مذہب کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ترین کام ہو جائیگا۔

ہم پھر ڈاکٹر موصوف کے شکرگذار ہیں کہ آپ نے ہم کو اپنی اس بیش قیمت کتاب کو ہندی اور اُردو میں بخوشی شایع کرنے کی اجازت دیدی۔ خدا آپ کو اپنے جلال کی توسیع کے لئے اور زیادہ استعمال کرے اور آپ کے کام پر برکت بخشے۔

پادری موتی لعل پاسبان سی۔ پی۔ مشن جھانسی نے بہت مہربانی فرما کر اس کتاب کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ اور پادری جے۔ این۔ بھٹی۔ پاسبان یونائیٹڈ چرچ آف ناردرن انڈیا سٹی چرچ جھانسی نے نہ صرف ترجمہ ہی کیا۔ بلکہ دیگر علم الہٰی کی کتب اور اپنے شخصی تجربے سے اس میں اور اضافہ کرکے ہماری ساری مشکلوں کو آسان کردیا۔

ہم جناب ڈاکٹر موصوف۔ پادری موتی لعل اور پادری جے۔ این۔ بھٹی صاحبان کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ جنہوں نے ہماری امداد کی۔ ورنہ ہمارے لئے یہ مشکل ہوتا کہ ہم اس انمول کتاب کو ہندی اور اُردو دونوں زبانوں میں شایع کروا سکتے۔ خوشی کا مقام ہے۔ کہ اب یہ کتاب تینوں زبانوں یعنی ہندی۔ اُردو اور انگریزی میں موجود ہے۔

ان کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔

مس بی۔ ایم۔ لاٹن
پنالعل محلہ جھانسی شہر

ازطرف بی۔ ایم۔ لاٹن
جھانسی شہر

پہلا باب

خُدا کے بارے میں

اوّل :- خدا کون ہے۔

خدا ہمارا۔ ہمارے خداوند مسیح کا۔ تمام مخلوق کا باپ اور بادشاہ ہے اور ہماری تمام ضروریاتِ زندگی اسی سے پوری ہوتی ہیں۔

وُہ خالق ہے :- خالق کی رو سے اس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا۔ اور ابھی تک وُہ اس عمل میں مشغول ہے۔ اور بدیں وجہ دُنیا کی ہر ایک شے ادنےٰ سے اعلےٰ تک اس کے ماتحت ہے۔ "اور زمین ویران اور سُنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا۔ اور خدا کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی" پیدائش ۱:۲- اعمال ۱۷:۲۸- کیونکہ اسی میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں۔

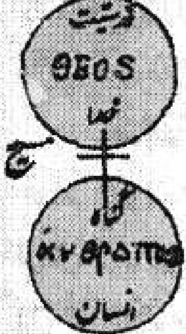
وُہ بادشاہ ہے :- چونکہ اس نے ہر ایک چیز کو جو دنیا میں موجود ہے پیدا کیا۔ اور خالق کی حیثیت سے وُہ سب پر مسلط ہے۔ کلام فرماتا ہے۔ زمین اور اس کی معموری یہوواہ کی ہے"۔ اس کی مخلوق اور اس کے ماتحت ہوتے ہوئے لازم ہے کہ انسان اُس کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ کیونکہ انسان اُس کی قدرت سے باہر ہو کر کچھ کر نہیں سکتا۔

وُہ محبت ہے :- خدا محبت ہے۔ (یوحنا ۴ : ۸-۱۶) علما کا خیال ہے کہ ہر ایک کام جو خدا کرتا ہے وُہ محبت پر مبنی ہوتا ہے۔ گنہگار جو کہ رات

دن اسی خیال میں لگا رہتا ہے۔ کہ خدا کی شریعت کو توڑے اور اس کو دُکھ دے۔ تعجب ہے۔ کہ اس کی محبت اس کے لئے کم نہیں ہوتی۔

"کیونکہ وُہ اپنے سُورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے۔ اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔" متی ۵:۴۵۔ اس نے دُنیا سے اس قدر محبت رکھی۔ کہ جب وُہ گنہگار ہو چکی تو اس نے اس کے بچاؤ کے لئے اپنے عزیز اور اکلوتے فرزند کو بھیجا۔ تاکہ وُہ اپنی جان کو بہتوں کے لئے فدیہ میں دے۔ اس ایثار کا ماخذ محبت تھی۔ جو وُہ ازل سے بنی آدم کے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کی اس لازوال محبت کی تکمیل خداوند مسیح کی قربانی سے ہوئی۔ اُس نے ہماری خاطر دُکھ اُٹھائے۔ تاکہ اس کے دُکھ اُٹھانے سے ہم چنگے ہوں۔ اور یہ سب اس لئے ہوا۔ کہ خدا ہم کو باپ کی طرح پیار کرتا ہے۔ اور اس کا دل ہمارے لئے ہر وقت محبت سے معمور رہتا ہے جس کی مثال لوقا ۱۵ باب میں بالتفصیل مندرج ہے۔

وُہ بزرگ ہے:۔ خدا بزرگ ہے۔ اس لئے اس کی محبت مقدس محبت ہے۔ ہر ایک اچھی بات مثلاً نیکی، راستی، پاکیزگی، انصاف اور قدوسیت اسی سے صادر ہوتی ہے۔ وُہ کامل ہے۔ اسی لئے وُہ یہ اُمید کرتا ہے۔ کہ اس کے بچے بھی کامل ہوں۔ متی ۵:۴۸۔ وُہ سراسر نیکی اور راستبازی ہے۔ اس لئے ہم اس کی برابری کر کے اس تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ ہم اس نیکی کا مزا اُٹھا نہیں سکتے۔ جب تک کہ ہم اپنا معیار بلند نہ کریں۔ مثال کے طور پر ان دونوں دائروں کو ملاحظہ فرمایئے۔ ایک قدوسیت ہے۔ اور دوسرا گناہ۔ اور دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کا الحاق اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ کچھ انسان ترک کرے۔ اور کچھ



خدا۔ اور دونوں ایک ایسی جگہ پر مل جائیں۔ جو دونوں کے لیئے درمیانی ہو۔ اور وہ ہے مسیح اور اس کی صلیب۔ لہٰذا اگر خدا کو انسان ملنا چاہتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ صلیب پر مسیح کے ذریعہ سے دیکھے۔

دوم ا۔ خدا:۔ خدا کے وجود کی تعریف کرنا محال ہے۔ کیونکہ ہم اس کی خاصیتوں کے اعتبار سے اس کی افضل ترین تعریف یوں بیان کر سکتے ہیں "خدا ایک شخصی روح ہے۔ جو سراسر نیکی، پاکیزگی، قدسیت اور محبت کا ماخذ ہے۔ ہر ایک کو قائم رکھتا ہے اور دنیا کا نگران اور حاکم ہے"۔

خدا روح ہے:۔ یوحنا ۴: ۲۴۔ "خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور راستی سے اس کی پرستش کریں"۔ روح ایک ایسی ہستی ہے۔ کہ ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ مگر وہ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ کوئی بت یا مورت یا کوئی انسانی کاریگری کا نمونہ نہیں۔ بلکہ وہ ایک روح ہے۔

اقنوم ہے:۔ جیسے باپ، بیٹا اور روح القدس تین اقانیم ہیں۔ اسی لئے باپ بھی ان میں سے ایک اقنوم ہے۔ وہ ایک ایسی روحانی شخصیت ہے جو تمام دنیا پر قادر ہے۔

یاد رہے کہ مندرجہ ذیل خواص کی عدم موجودگی میں کوئی ہستی بھی اقنوم کہلانے کی مستحق نہیں۔

ا۔ قوت ادراک۔ سوچنے اور سمجھنے کے لئے

ب۔ احساس۔ محبت کرنے۔ نفرت کرنے۔ خوشی اور غمی میں شامل ہونے

کے لئے۔

ج - قوتِ ارادی۔ سنگین ترین کام کو عملی جامہ پہنانے اور مستقل مزاجی سے نبھانے کے لئے۔

د - خود آگاہی۔ محض اس لئے نہیں کہ دوسری اشیا کے متعلق جو اس کی ذات سے باہر ہیں علم مکمل حاصل ہو بلکہ اپنی ذات کے لئے بھی علم رکھتا ہو۔ کہ وہ سوچتا ہے، عقل رکھتا ہے، محسوس کرتا ہے، عمل کرتا ہے اور اس پر کیفیت طاری ہوتی ہے۔

س - یکسانیت :- کل، آج بلکہ ابد تک یکساں۔ اس شخصیت کو علم ہو کہ وہ لاتبدیل ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی قسم کے تجربات میں سے گزرے نہ ہی زمانوں کی قید میں ہو۔

لہٰذا اب باپ ایک اقنوم ہے۔ جو عالم، محسوس کرنے والا، عاقل، خالق اور سب کا رب اور پروردگار اور باپ ہے۔

سوم :- خدا کا رشتہ دنیا سے :- باپ دنیا کو پیدا کر کے اس کی خبرگیری اور محافظت کرتا ہے۔ اس کو ہر ایک چیز کا علم ہے کیونکہ ہر ایک چیز کا صدور اسی سے ہے۔ خواہ وہ آسمانی ہو خواہ زمینی۔ آسمان اور زمین کی سب چیزیں حیوانات، جمادات، نباتات وغیرہ سب اسی کے اختیار میں ہیں۔ اور وہ ہر ایک کو نام بنام جانتا ہے۔ سورج، چاند اور ستارے موسم، اوقات سب اسی کی مرضی سے اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ موسم بدلتے ہیں۔ بہار کے بعد خزاں اور خزاں کے بعد بہار، خوبصورت اور دلفریب پھول پیدا ہو کر انسان کے دل کو لبھاتے ہیں۔ ننھی ننھی اور ہری بھری گھاس اگ کر زمین پر مخملی فرش بچھا دیتی ہے۔ یہ سب

کس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ کیا یہ اس کی بے تبدیل قدرت کے قانون سے جو کہ ہر وقت یکساں نہج عمل میں نہیں آرہا۔ یہ سب دلفریبیاں اس کی مرضی کا مکاشفہ ہیں۔ کہ وہ دنیا کو کس قدر چاہتا ہے۔ علاوہ بریں خدا کی انسان کے لئے ایک اور تجویز ہے۔ جو کہ اس کی اصلی اور حقیقی اور بنیادی بات ہے۔ یہ کہ وہ اسے آسمان کی بادشاہت کا وارث بنائے جہاں پر اس کی مرضی کی مکمل طور پر پیروی ہو۔ اور اس کا تابع رہ کر انسان زندگی گزارے۔ رسولوں کے اعمال ۱۷: ۲۸ آیت میں یوں مرقوم ہے۔ "کیونکہ اسی میں ہم جیتے۔ چلتے پھرتے اور موجود ہیں" اور وقت آتا ہے کہ کل بنی نوع انسان اس کی مرضی کے مطیع ہوں۔ اور اسی اطاعت کے بعد اس کی بادشاہت کا اظہار ہو گا۔ اور اس کی مرضی جیسے کہ آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہوگی۔

چہارم :- خدا کی صفات :-

خدا بحیثیت ذات واحد ہے۔ اور بحیثیت اقنوم ثالوث۔ تین اقنوم کبھی ایک اقنوم نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ایک ذات تین اقنوم ہو سکتی ہیں جیسے زید بحیثیت شخص ایک ہے۔ اور اس میں کل صفات تین ہیں۔ نفس، روح اور عقل۔

ہم خدا کی تقسیم عقلی کرتے ہیں نہ کہ خارجی۔ ہم خارج میں انہیں علیحدہ نہیں کر سکتے۔ یہ خدا کی ذات میں تین شامل ہیں۔ جو غیر منقسم ہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ جب ہم اسے محمول کرینگے تو خدا پر کرینگے۔ اسی طرح سے مسلمان جب صفات کو خدا پر محمول کرتے ہیں۔ تو وہ اس طرح کرتے ہیں۔ خدا غفور ہے۔ خدا رحیم ہے۔ خدا سمیع ہے۔ خدا بصیر ہے۔

لیکن سمیع علیم نہیں یا علیم بصیر نہیں۔ اسی طرح سے باپ بیٹا نہیں۔ بیٹا روح القدس نہیں۔ کیونکہ اگر یہ ایک دوسرے کی جگہ لیں تو ان میں امتیاز داخ ہوگا۔ ذات تینوں کی ایک ہے۔ اور اس میں امتیاز ہے۔ اور اسی سے ان میں اتحاد ذاتی ہے۔ خارجی نہیں۔ یعنی خدا نوع نہیں جس کی یہ جنس ہیں۔ بلکہ وہ ایک خدا ہے۔ اور اقانیم ذات میں متحد ہیں۔ اور صفات ذات میں متحد ہیں۔ لیکن صفات فعل میں ممتاز ہیں۔ خدا کی صفات لاانتہا ہیں۔ نہ کہ ہمارے مسلم بھائیوں کے عقائد کے مطابق محدود۔ صفات دو طرح کی ہیں۔

صفات ذات اور صفات فعل۔ صفات فعل کے صفات ذات آثار ہوتے ہیں۔ اور صفات ذات ازلی ہیں۔ اور ذات سے متعلق ہیں۔ جیسے کہ سورج کی ایک شعاع میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ حرارت۔ نور اور کیمیائی فعل۔ بلحاظ فاعلیت ان میں اتحاد کامل ہے۔ مگر نتائج کے اعتبار سے وہ بالکل الگ الگ ہیں۔ لہٰذا خدا شخصی روح ہے۔ راستباز، خالق، رازق حاکم، منتظم، ہمہ جا حاضر، قادر، بے تبدیل و لامحدود ہے۔

لامحدود:۔ وہ لامحدود ہے ہماری طرح نہیں۔ جیسے کہ ہم ایک مقصد کے لئے ایک وقت میں ایک ہی جگہ پر حاضر مقید اور محصور ہوتے ہیں مگر خدا روح ہے۔ جو ہر جگہ موجود ہے۔ ہر ایک چیز میں سمائی ہوئی ہے چیونٹی سے لے کر بلند ترین کوہسار اسی کا ظہور و نور ہے۔ وہ ہر ایک چیز پر حاکم و قادر ہے۔ اس کے سامنے کچھ بھی غیر ممکن نہیں۔ بلکہ وہ غیر ممکن سے ممکن کر دینے پر قادر ہے۔ اس سے ہم روپوش ہو ہی نہیں سکتے۔ نہ ہی اس کی حضوری سے بھاگ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے۔ دیکھو زبور ۱۳۹۔

عالم الغیب :۔ خدا باپ جو ہر جگہ حاضر ہر ایک چیز میں سمایا ہُوا ہے وُہ ہر ایک چیز کے متعلق علم رکھتا ہے۔ اس کے سامنے نہ ماضی ہے نہ استقبال بلکہ سب حال ہی حال ہے۔ سب جو کچھ ہو چکا۔ ہو رہا ہے۔ یا ہونیوالا ہے سب اس پر عیاں ہے۔ اور اس کا علم اکتسابی نہیں بلکہ ازلی ہے نیز وُہ خالق جس نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کو اس کے متعلق علم رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ وُہ اس کا خالق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اُس نے ہم کو اپنی صُورت پر پیدا کیا۔ جیسے وُہ خود لامحدود ہے۔ اسی طرح اس کی دانائی بھی لامحدود ہے۔

قادرِ مطلق :۔ خدا جو باپ اور دنیا کا خالق مالک اور حاکم اور بادشاہ ہے وُہ اس دُنیا کا جس کو اس نے پیدا کیا ہے واحد مالک ہے۔ اور وُہ بھی اسی کی مرضی کے مطابق چلتی ہے اور اسی سے برقرار ہے۔ نیز ہر ایک وعدہ جو اس نے بنی نوع انسان سے کیا ہے۔ اپنے وقت پر پورا کریگا۔

بے تبدیل: ۔ بے تبدیل سے مُراد ایک ساکن یا غیر متحرک چیز کی حالت نہیں ہے۔ بلکہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ وُہ تبدیل نہیں ہوتا۔ اس کو کوئی تغیر و تبدل موثر نہیں کر سکتا۔ اس کے ارادے اور وعدے بے تبدیل ہیں۔ وُہ ایک کام کرنے والا ہر وقت چُست و مستعد باپ ہے۔ لہٰذا اس کی محبت کرنے کی خاصیت بھی مع دیگر خواص کے بے تبدیل ہے۔ خُدا آج اور کل بلکہ ابد تک یکساں ہے۔

پنجم :۔ ہم خدا کا علم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟

رومی ۱: ۱۹-۲۰ آیات۔ کیونکہ جو کچھ خدا کی نسبت معلوم ہو سکتا

ہے۔ وہ ان کے باطن میں ظاہر ہے۔ اس لئے کہ خدا نے اس کو ان پر ظاہر کر دیا۔ کیونکہ اس کی ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی پیدائش کے وقت سے بنائی ہوئی چیزوں کے ذریعہ سے معلوم ہو کر صاف نظر آتی ہیں۔

اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک براہ راست کسی ہستی اور اس کے وجود کا تصور ہوتا ہے۔ اور دوسرا جب اس ہستی کے متعلق کوئی یقینی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ہستی کا تصور اور شے ہے۔ اور ہستی کے وجود کا تصور اور شے ہے۔ مثلاً جب ہم کسی عمارت کو دیکھتے ہیں تو اس کو دیکھ کر اس کے بنانے والے معمار یا معماروں کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ان معماروں کی ہستی کا تصور نہیں ہوتا۔ اسی طرح کائنات سے خالق کے وجود کا ثبوت تو بطور استدلالی حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس کی ہستی یا وجود کا کوئی تصور حاصل نہیں ہوتا۔ یا ایک اور ذریعہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ خود کسی دیدنی مظہر میں ظہور پذیر ہو۔ لیکن مظہر ہی کے وسیلے سے خدا کا تصور ممکن ہے۔ اور کسی طریقہ سے نہیں کیونکہ اگر خدا تعالےٰ کا حقیقی علم حاصل کریں محدود اور حادث انسان کے لئے ممکن ہے۔ تو صرف اس کے محدود اور دیدنی مظہر کے ذریعہ سے۔ وہی مظہر مسیح ہے۔ یوحنا ۱:۱۸۔ کلسی ۲:۹۔ ۱ یوحنا ۵:۲۰۔ ۱ کرنتھی ۱۲: ۹ - ۱۲۔

دوسرا طریقہ اس کے ظہور کا ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

۱۔ خدا نے قدرت کے ذریعہ سے اپنا اظہار کیا ہے۔ زبور ۱۹: ۱-۸۔ رومی ۱/۲۰

۲۔ خدا نے اپنا اظہار کلام مقدس میں انبیا کے ذریعہ کیا ہے۔

۳۔ وقت کے پورا ہونے پر اپنے بیٹے کے ذریعہ سے۔ گلتی ۴:۴۔ جو کہ باپ کے مشابہ تھا۔ جو خدا کی ساری خوبیوں کا مکاشفہ تھا۔

۴۔ کلام مقدس کے ذریعہ سے۔ لہذا جو کتاب مقدس یعنی بائبل کے متعلق جو کہ ابتدا سے انتہا تک خدا کا الہامی کلام ہے۔ پورا علم نہیں رکھتے۔ وہ خدا سے بخوبی طور پر واقف نہیں ہو سکتے۔

۵۔ باپ روح القدس کے ذریعہ سے براہ راست بنی نوع انسان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی آواز کی شنوائی ہو۔ جو کہ ہم کو نیکی اور بدی سے آگاہ کرتی ہے۔ بھلائی کی ترغیب اور برائی سے نفرت دلاتی ہے۔

ششم ۱۔ مسئلہ تثلیث۔

خدا نے انسان پر باپ بیٹے اور پاک روح کی صورت میں اظہار کیا۔ اسی کو فلسفی اس صورت میں پیش کرتے ہیں۔ ۱۔ علت مفیدہ ۲۔ علت محدثہ۔ ۳۔ علت مبقیہ۔

علت مفیدہ۔ عدم سے وجود میں لانے کے سبب کو کہتے ہیں۔ باپ

علت محدثہ۔ حدوث کا سبب۔ یہ حادث اس لئے ہے۔ کہ اس میں زمانہ ہے۔ بیٹا۔

علت مبقیہ۔ روح کے بقا کا سبب۔ یعنی ممکن کی بقا کے لئے یہ علت ضروری ہے۔ روح القدس کلام پاک اس کا گواہ ہے۔ متی ۱۹:۲۸ ۲کرنتھی ۱۳:۱۴۔

جب کہ باپ کامل راستی اور نیکی اور پاکیزگی کا منبع ہے۔ تو اس کا مظہر بھی مزاج اور عادت میں اس کے مشابہ ہوگا۔ اور اسی طرح روح القدس

بھی جو ہمارا دنیا میں رہنما ہے ہم کو راستی کی چال چلاتا رہتا ہے۔

نیز کلام یہ بھی واضح کرتا ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ استثنا ۶: ۴ - مرقس ۱۲: ۲۹ - یوحنا ۱۷: ۱-۳ - ۱-کرنتھی ۸: ۶ - گلتی ۳: ۲۰ - ۱-تمتھی ۲: ۵ - افسی ۴: ۵-۶ - یہ ممکن نہیں۔ کہ یہ مشکل مسائل جو کہ لامحدود خدا اور اس کے مظہر کے متعلق ہیں۔ ہم اپنے محدود دماغ اور عقل سے سمجھ لیں۔ کہ ایک کیسے تین ہیں۔ اور تین کیسے ایک ہے۔ مگر یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ باپ۔ بیٹے اور روح القدس کا مقصد اور سیرت ہمارے لئے ایک ہی ہے۔

خدا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ سب کا فضل ہے اور سب پر مسلط ہے۔ اسے باپ کے نام سے پکارتے ہیں۔ خدا مجسم ہو کر جسمانی جامے میں ظاہر ہوا۔ وہ ہے مظہر یا مسیح۔ اسے ہم بیٹا کہتے ہیں۔

خدا۔ دنیا میں موجود۔ کلیسیا میں حاضر۔ اور ہر وقت ہمارے ساتھ۔ وہ ہے پاک روح۔ لہذا خدا باپ بیٹا اور روح القدس بھی ہے۔

اب ان تینوں اقانیم کے کاموں کے متعلق آئندہ ابواب میں بیان کرینگے۔

دوسرا باب

انسان کے متعلق علم الٰہی کے اصول و تعلیم

انسان کے بارے میں:-

سب سے پہلا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آدمی پیدائش کے اعتبار سے کیا تھا۔ اور اس کی جسمانی۔ شعوری۔ اخلاقی اور مذہبی طبیعت اور بیرونی دنیا یا ماحول سے الحاق کے متعلق (جبکہ خالق کے ہاتھوں بنایا گیا تھا) ہمارے پاس غور و فکر کے لئے کیا مصالحہ ہے۔ دوسرا سوال ہے۔ کہ گناہ کرنے سے انسان کیا ہو گیا۔ اور تیسرا سوال ہے کہ انسان فضل کے ماتحت کیا ہو سکتا ہے۔

ان تینوں سوالوں کے ذریعہ سے ہم تین ضروری مسئلوں کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ (۱) سوال اوّل سے ہم اصلی راستبازی اور سوال دوم سے ہم اصلی گناہ اور سوال سوم سے ہم فضل کی طرف جو کہ گناہ کے بوجھ سے دبے ہوئے شخص کو مسیح خداوند کے وسیلے سے مل سکتا ہے رجوع ہوتے ہیں۔

اور خداوند نے فرمایا۔ کہ آؤ ہم انسان کو اپنی صورت پر اور اپنی مانند بنائیں۔ کہ وہ سمندر کی مچھلیوں پر اور آسمان کے پرندوں پر اور مویشیوں پر اور تمام زمین پر اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں سرداری کرے۔ اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

زرد ناری اس کو پیدا کیا۔ اور خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا۔ سو آدم جیتی جان ہوا۔

اب معلوم ہوا۔ کہ انسان صورت اور سیرت کے لحاظ سے الٰہی سانچے میں ڈھالا گیا۔ اور اس کو خدا نے اپنی صورت عطا کی۔ جو نیکی راستبازی اور پاکیزگی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ اور خدا روح ہے۔ لہٰذا انسان بھی شخصی روح بنا۔ اس سے مطلب یہ ہے۔ کہ انسان شخصیت کے اعتبار سے خود آگاہ۔ باشعور صاحب ادراک باارادہ و حساس تھا۔ وہ سوچ سکتا تھا۔ ارادہ کر سکتا تھا۔ مرضی استعمال کر سکتا تھا اور اپنے متعلق غور و فکر سے کام لے سکتا تھا۔ وہ صاحب علم تھا مثلاً ایک حیوان ہے وہ بہت سی باتیں جان سکتا ہے۔ سیکھ سکتا ہے مگر کسی شئے کے متعلق علم نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اس میں ذمہ داری کا احساس یا مادہ ہے۔

شخصیت کا دوسرا جز ہے۔ مطابقت و یکسانیت۔ یعنی ہم جو کچھ بچپن میں ہوتے ہیں وہی بڑھاپے تک رہتے ہیں۔ اور میں وہی ہوں جو بڑھ رہا ہوں اور مجھ میں یہ تبدیلیاں رونما ہوتی جاتی ہیں۔

انسان ایک شخصیت ہے جو بدن و جسم رکھتا ہے اور وہ جسم خدا کا مقدس ہے۔ دیکھو ا کرنتھی ۱۹ ،۱۲۔ ا تھسلنیکیوں ۵:۲۲ میں روح جان اور بدن کا بھی ذکر ہے۔

جسم ہمارا مادی ہے جو کہ گوشت۔ پوست اور خون سے ایک جگہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور اسے ہم چھو سکتے ہیں محسوس کر سکتے ہیں۔ اور یہی جسم ہے جو ہمارا خادم ہے یا خدمت کا آلہ یا اوزار ہے۔ پر روح

اور جان کلامِ مقدس میں دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک انسان میں دو مختلف حالتیں ہیں یعنی جان سے مراد انسان کی زندگی ہے اور رُوح سے مراد انسان کا رشتہ خدا سے ہے۔ اسی لئے جو شخص خدا کی مرضی پر چلتا ہے۔ وہ رُوحانی کہلاتا ہے۔ مگر وہ انسان خواہ روحانی ہو یا نہ ہو۔ جان ضرور رکھتا ہے۔ یعنی زندہ ضرور ہے۔ زندگی کا روحانیت سے کچھ علاقہ نہیں۔ مگر لازم تو یہ ہے۔ کہ ہر شخص روحانی طور پر زندگی بسر کرے۔ اور اسی طرح سے اس کا رشتہ خدا سے جو رُوح ہے برقرار رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی صورت پر بنایا گیا ہے۔

دوم :۔ انسان جو مخلوقات سے اشرف ہے۔ اس کی ترقی کی مختلف منازل :۔

خدا نے اسے خاک سے پیدا کیا۔ اور جس وقت اس نے اسے پیدا کیا۔ اس وقت خدا اور اس کے فرشتگان ہی موجود تھے۔ لہذا وہ عالم جو بعد میں پیدا ہوئے۔ محض اپنی رائے ہی پیش کر سکتے ہیں۔ مگر وثوق کے ساتھ اصلیت کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ اگر انسان جو کہ مخلوقات کا سرتاج ہے۔ بغیر کسی خالق کے دنیا میں آ گیا۔ تو دنیا بھی بغیر کسی خالق کے پیدا ہوئی۔ جو سراسر از روئے عقل محال ہے لہذا خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اس کو اشرف المخلوقات کہا۔ جیسے کہ کلام گواہ ہے۔

ترقی کرنا یا بڑھنا زندگی کا قانون اول ہے۔ اور ہر ذی جان شے بڑھتی ہے اور جب وہ بڑھتی ہیں۔ تو وہ مرجاتی ہیں جیسے انسانی

انسانی زندگی ہر ایک بچے سے شروع ہوتی ہے۔ پھر وہ ترقی کی منازل طے کر کے جوانی کے زمانے تک پہنچ جاتی ہے۔ اور پھر اسی طرح سے بڑھاپا آجاتا ہے۔ اور کمزوری سے انسان مغلوب ہو کر مر جاتا ہے۔

جوان ہونے کے لئے ۲۰ سے ۲۵ برس درکار ہیں۔ مگر یاد رہے دماغی ترقی جسمانی ترقی پر منحصر نہیں۔ ایک آدمی جسم کی رو سے بہت مضبوط اور توانا ہے۔ مگر دماغی طور پر یا عقلی طور پر وہ بالکل کمزور ہے۔ کیونکہ انسانی دماغ کو ترقی کرنے کے لئے بہت ہی برس درکار رہتے ہیں۔ مثلاً ہمارے خداوند مسیح جو کہ خود کامل انسان تھے حکمت اور قوت میں بڑھتے اور معمور ہوتے گئے۔ لوقا ۲: ۴۰۔ "یعنی وہ لڑکا یسوع بڑھتا اور قوت پاتا گیا۔ اور حکمت سے معمور ہوتا گیا۔ اور خدا کا فضل اس پر تھا" لوقا ۲: ۵۲۔ اور یسوع حکمت اور قد و قامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔ اس جگہ ہم جسمانی۔ عقلی۔ روحانی اور سیاسی ترقی کا ذکر پاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک جسمانی ترقی کا معیار ہے۔ اور اگر ہم جسمانی طور پر ترقی پر ترقی کرتے جائیں اور اسی طرح انتہائی منزل تک پہنچ جائیں۔ اور پھر گھٹتے گھٹتے کمزور ترین ہو جائیں۔ تو بھی ہماری روحانی زندگی کو کوئی ضعف پہنچ نہیں سکتا۔ وہ مقدس۔ پاکیزہ اور مبارک ہی ہوتی جاتی ہے۔ جب تک کہ ہم زندگی کو ختم نہ کر لیں۔

اب ہم ان منازل کا ذکر کرینگے۔ جو کہ ہم کو جسمانی ترقی کے ہمراہ روحانی اور عقلی طور پر طے کرنی ضروری ہوتی ہیں۔

اوّل۔ بچپن کا زمانہ :۔ ۱ - ۵ تک۔ اس زمانے میں بچہ دیکھنے اور

نقل کرنے سے دنیا اور مذہب کے متعلق علم حاصل کرتا ہے۔ یعنی جو کچھ وہ دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس کی نقل کرتا ہے۔ یا جو کچھ دوسرے لوگ ان کو کرنے کو کہتے ہیں وہ فوراً اس کو کرنے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا جسم جو ترقی پر ہوتا ہے ان سے یہ ہی طلب کرتا ہے کہ وہ کچھ کریں۔ لہذا مذہب ان کے لئے ایک حالت یا عمل ہے جس کو وہ بجا لاتے یا کرتے ہیں۔

دوم:۔ بچپن اور جوانی کے درمیان کا حصہ۔ ۶ - ۱۱ سال کی عمر تک۔

اس عمر میں بچے اسکول جاتے ہیں اور لکھنا پڑھنا سیکھنے لگتے ہیں۔ اور اپنی باقی زندگی کے لئے عادات بناتے ہیں۔ اور اسی زمانے میں ان کو کلام کی آیات حفظ کرانی چاہیئے۔ زمانہ سابقہ میں یہودی بچے بزرگوں کی سوانح عمریاں، مذہبی تواریخ، یہودی رسمیات اور بائبل کے مقامات اسی عمر میں پڑھتے اور یاد کرتے تھے۔ اور بعض بعض دفعہ ہفتے میں سات سات سو آیات بائبل حفظ کرائی جاتی تھیں۔ لہذا اسی عمر میں اچھی اچھی عادتوں کو بنانا چاہیئے۔ مثلاً فرمانبرداری۔ ایمانداری رحمدلی، صفائی، گرجے جانے کی عادت وغیرہ ڈالنی چاہیئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ یہی زمانہ ہوتا ہے۔ کہ جس میں یسوع مسیح کو قبول کر لینا چاہیئے اور اس کو اپنا منجی قرار دینا چاہیئے۔ اور اسی کی پیروی ہر ایک بات میں کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

سوئم:۔ درمیانی زمانہ:۔

اس زمانے کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ لڑکوں میں ۱۴ سے ۲۵ سال اور لڑکیوں میں ۱۲ سے ۲۱ سال تک ہوتا ہے۔ یہ وہ

درمیانی زمانہ ہے۔ جب کہ انسان بچپن سے نکل کر جوانی کی طرف قدم بڑھانا شروع کرتا ہے۔ لہٰذا اس زمانے کو تغیر کا زمانہ کہتے ہیں۔

درمیانی زمانے کی خصوصیات :- اس زمانے میں وہ باتیں جو بچپن میں باعث دلچسپی معلوم ہوتی تھیں یعنی محض خیالی اور وہمی باتیں جیسے دیو پریوں کی کہانیاں ، بھوت پریت کے قصے ، جادو منتر کے افسانے جو حقیقت سے متعلق نہ ہوں باعث دلچسپی نہیں ہوتے ۔ اس وقت بچوں کو ایسی جسمانی ورزشیں جن میں تنظیم اور تربیت پائی جائے ایک حقیقی دنیا کی کہانیاں دوستی اور محبت ۔ طرب و ترنم ، سیر و سیاحت ، سائنس و فلسفہ اس قسم کی باتیں توجہ کا مطالبہ کرتی ہیں ۔ اگر اس عمر میں کوئی بچہ ایسا ہو جو بالکل علیحدہ رہے ۔ جیسے کھیل میں یا کشتی چلانے ۔ یا گھوڑے کی زین سواری کرنے یا مچھلی پکڑنے یا شکار کھیلنے کا موقع نہ ملے تو ممکن ہے کہ بعد میں شاید کبھی بھی وہ ان باتوں کو نہ سیکھے ۔

اسی عمر میں جنسیت کی جبلت (Sex Instinct) یا جذبات پیدا ہوتے اور زور کرتے ہیں ۔ اور ان کے اظہارات بہت درجہ تک بچوں کی پہلی تعلیم و تربیت خاندانی وراثت اور اس وقت کے مصائب و مشاغل پر مبنی ہے ۔ لہٰذا اس زمانے میں بچوں کی ایسی ہدایت کرنی چاہیئے کہ وہ ان جنسی اور جسمانی خطرات سے محفوظ رہیں ۔ یہ زمانہ حقیقت میں ایک نئی پیدائش کا زمانہ ہے ۔ اور یہ نئی پیدائش اس پہلی پیدائش پر اور بعد کی تعلیم و تربیت اور نشو و نما پر منحصر ہے ۔ اس وقت بچوں کی جسمانی قوا نشو و نما اور ترقی حاصل کرتے ہیں ۔ نئی نئی خصلتیں رگوں و پٹھوں کو زور دیتی ہیں ۔ نئے تمدنی تعلقات ۔ تمدنی پہلوؤں کی تربیت

اور ارتقاء کا موجد ٹھہرتے ہیں۔ نئے جذبات اور تجربات قلبی نشوونما کا باعث ہوتے ہیں۔ نئے خیالات نئے تصورات نئے امکانات تمام ملکر انسان کو ایک نیا مخلوق بناتے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں جسمانی اور دماغی اور قلبی قوتوں کا ایسا لامتناہی خزانہ دکھائی دیتا ہے کہ جو ہر وقت کام میں آتا رہتا ہے۔ لیکن کبھی کم نہیں ہوتا۔ یہ گویا ایک اُمڈتا ہوا دریا ہے جو بڑے زور کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ اور اپنے لئے راستہ بناتا چلا جاتا ہے۔ لہذا یہ زمانہ والدین اور استادوں کے لئے نہایت ہی تشویش اور احتیاط کا زمانہ ہے۔ کیونکہ انہیں اس بات کا فیصلہ کرنا ہے۔ کہ بچوں کی کیونکر مدد کریں۔ کہ وہ صحیح اور مفید صورتوں میں اپنی ان طاقتوں کو ظاہر کریں۔ ممکن ہے کہ وہ طاقتیں ایسی صورتوں میں استعمال کی جائیں۔ کہ جن سے ہر قسم کے گرے ہوئے افعال سرزد ہوں۔ اور یوں وہ ہونہار زندگی ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی امکان ہے کہ وہی طاقتیں ایسے مشاغل کی طرف راغب کی جائیں جو مفید اور اعلےٰ مشاغل ہوں۔ عام طور پر یہ قوت مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے۔ بعض میں زیادہ تر جسمانی خصلتوں میں ظاہر ہوتی ہے بعض کو دماغی مصروفیتوں کی طرف راغب کرتی ہیں۔ اور بعض کو تمدنی کاموں اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف تحریک دیتی ہیں۔

ذیل میں اس زمانے کے مختلف حصّوں کا ہم مختصر طور پر ذکر کرینگے۔

حصّہ اول سن بلوغ (Puberty) اس درمیانی زمانے کی پہلی

منزلِ سن بلوغ ہے۔ اور یہ بلوغت کی منزل ظاہر ہونے کے لحاظ
سے مختلف ہوتی ہے۔ قوم، آب و ہوا۔ عادات و زندگی۔ صحت آرام و
آسائش عیش و عشرت جسمانی تفریح فارغ البالی وغیرہ ایسے اسباب
ہیں جو اس کے ظاہر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اکثر فارغ البالی اور
عیش پرستی اس کے جلدی رُونما ہونے میں مدد کرتی ہیں۔ بیماری
دُکھ مصیبت اور محنت اس کے اظہار کو تاخیر میں ڈال دیتے ہیں۔
عام طور پر بلوغت کی منزل ۱۱- ۱۲- ۱۳ برس ہُوا کرتی ہے۔ بعض
اوقات اس سے پہلے بھی ظہور پذیر ہونے لگتی ہے۔ لڑکیوں میں اس
کا اظہار لڑکوں کی نسبت جلدی ہوتا ہے۔ اور بہت جلدی تکمیل
تک پہنچ جاتا ہے۔ انسان کی زندگی میں یہ نازک ترین زمانہ ہے کیونکہ
ہماری جسمانی روحانی۔ تمدنی۔ مذہبی۔ اخلاقی نشوونما کا اظہار اس
ہی زمانے پر منحصر ہے۔ اس زمانے میں بچپن کی باتیں چھوٹنے لگتی
ہیں۔ اور ایسی قوتیں اور اوصاف پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جو ایک نئی
زندگی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ جنسی جبلت۔ عقلی فعلیت۔ آزاد
عمل۔ تنظیم کی قابلیت اور خاندانی جبلت نشوونما پاتی ہیں۔ اس
زمانے میں انسان پر اعتبار سے ایک نیا مخلوق بنتا جاتا ہے۔ عام طور
سے ۱۱- ۱۴ تک یہ زمانہ رہتا ہے۔

جسمانی تبدیلیاں:- اس زمانے میں جسمانی یا عضویاتی طور پر زبردست
انقلابات انسانی جسم یا زندگی میں پیدا ہوتے ہیں جسمانی ترقی یا نشو
ونما اس منزل کی ایک خصوصیت ہے۔ بتلایا جاتا ہے۔ کہ لڑکوں
میں ۱۴ سے ۱۶ اور لڑکیوں میں ۱۲ سے ۱۴ سال تک کے عرصے میں

سے زیادہ جسمانی ترقی ہوتی ہے۔ دل قد میں بڑھتا ہے۔ جلد سریع الحس ہو جاتا ہے۔ دیکھنے کی، سننے کی اور چھونے کی قوتیں ترقی کرتی ہیں۔ رگوں و پٹھوں میں زبردست انقلاب پیدا ہوتے ہیں۔ جنسی تبدیلیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اسی لئے جسمانی نقطہ نظر سے یہ زمانہ بہت ہی خطرناک زمانہ کہلاتا ہے۔ نفس اور جسم کی خواہشات گھیرے رہتی ہیں۔ لہذا اس زمانے میں بچوں کی محافظت، ہمدردی اور ہدایت کی ازحد ضرورت ہے۔

اس عمر میں اکثر طبیعت اداس ہو جایا کرتی ہے۔ اور بچے اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ اور ایسے رفیقوں کی تلاش کرتے ہیں۔ جو ان کے جذبات کے ساتھ ہمدردی کر سکیں۔ یہ خاص طور پر رفیق پسند عمر واقع ہوتی ہے۔ اور اگر اس فطرتی جبلت کو ظاہر ہونے کا تا تکمیل موقع نہ ملے تو اکثر لڑکے لڑکیاں بگڑ جاتے ہیں۔ ضدی ہو جاتے ہیں۔ بے قابو ہو جاتے ہیں۔ گھر بار چھوڑنے کی دھمکی دیا کرتے ہیں۔ مگر عام طور پر یہ ایک عارضی ہی لہر ہوا کرتی ہے۔ اور بہت جلد جاتی رہتی ہے۔ اس عمر میں متلون مزاجی، بے قراری وغیرہ ضرب المثل ہیں۔ ایسی عمر میں والدین کو اور استادوں کو بچوں کے ساتھ ہمدردی اور عقلمندی سے پیش آنا چاہیئے۔

بعض مصلحین کا خیال ہے۔ کہ اگر ۱۲ برس کی عمر سے قبل بچوں کی اخلاقی اور روحانی زندگی میں تبدیلی نہ ہو جائے اور وہ زندگیاں بہتر نہ ہو جائیں تو پھر ایسی تبدیلیوں کا پیدا کرنا نہایت ہی مشکل ثابت ہوتا ہے۔ اور بعض حالتوں میں ناممکن۔ وہ تمام

خوبیاں یا اوصاف جو تبدیلی کے زمانے سے پہلے ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت انقلاب کے بعد ترقی پکڑتے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ دلیل کہ اوائل عمر ہی میں بچوں کی اخلاقی اور مذہبی تربیت پر زور دینا چاہیئے زبردست معلوم ہوتی ہے۔

اس منزل کی مذہبی اہمیت:۔ اس منزل کی مذہبی اہمیت کا مختلف ممالک اور زمانوں کے لوگوں نے اعتراف کیا ہے۔ وحشی قوموں سے لے کر جہاں انسان کے حقوق کو لے کر روندا جاتا ہے اور انہیں جنگلوں میں مار پیٹ کر دھکیل دیا جاتا ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے۔ کہ خود اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے سامان مہیا کریں۔ مسیحی کلیسیاؤں میں جہاں ایسی عبادتیں پائی جاتی ہیں ان کی نشو و نما کا انتظام بہترین کیا جاتا ہے۔ ان کی عزت کی جاتی ہے۔ اور پھر بڑے جاہ و جلال اور بڑی سنجیدگی اور حرمت کے ساتھ انہیں کلیسیاء کی شراکت میں مستقیم کیا جاتا ہے۔ یہ تمام اس بات کو ظاہر کرتی ہیں۔ کہ دنیا کے سب لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ بچے کی عمر میں ایک ایسا موقعہ آجاتا ہے۔ کہ وہ جوانی میں داخل کیا جاتا ہے۔ اور یہ نئی زندگی عضویاتی۔ ذہنی اور روحانی اعتبار سے نئے اور غیر معمولی تجربات کی دنیا ہوتی ہے۔ اس عمر میں انسان کے اندر نہایت ہی زبردست طاقتیں کام کرتی ہیں۔ جو گو پورے طور پر شعوری آگاہی نہیں رکھتیں۔ مگر تو بھی خاموشی کے ساتھ اور یقینی طور پر اپنا کام کئے جاتی ہیں۔ اور اسی لئے ہر انسان کی روح یا تو تخیل کے ابنِ آدم کے قد کے نمونے پر ڈھلتی جاتی ہے

یا ہمیشہ کے لئے بدنما اور بدہیئت ہوتی جاتی ہے۔

اسی عمر میں مذہبی بیداریاں خاص طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ روحانی تبدیلی کا سنہلا وقت ۱۲ برس سے ۱۹ برس کی عمر تک ہے۔ اور یہ بھی بتایا جاتا ہے۔ کہ ۱۶ برس کی عمر میں سب سے زیادہ روحانی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اگر اس سے قبل کی اور یہ زندگی دونوں بہترین طریقے پر نشو و نما پا چکتی ہیں تو جو ذمہ داریاں ملک یا جماعت یا خاندان یا گروہ کی طرف سے ان کے کندھوں پر رکھی جاتی ہیں وہ ان کو بارِ خاطر معلوم نہیں ہوتیں بلکہ برعکس اس کے وہ اس کو عین راحت خیال کرتے ہیں۔

سوئم :۔ سیرت اور چال چلن کا ماخذ:۔

ہمارے چال چلن اور سیرت کو بنانے میں امداد دینے والی مندرجہ ذیل باتیں ہیں۔ اوّل۔ موروثی صحت یا عادات۔ دوئم۔ ماحول جس کے زیر اثر ہم اور جس کے درمیان ہم زندگی گزارتے ہیں۔ سوئم۔ مرضی یا ارادہ۔ اس کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ یہ مرضی ہمارے اختیار میں ہے یا ہم اس کے غلام ہیں۔ اور چہارم ہماری عادات۔ عادت ایک ایسی چیز ہے۔ جو کہ ہمارے سارے مزاج اور چال چلن کی ذمہ دار ہے۔ ابتداء میں یہ محض عادت ہے۔ مگر آخر میں یہ ایک چال چلن ہے۔ جو عادت ڈالو گے اسی کے نام سے کہلاؤ گے مثلاً شراب پینے والا شرابی

موروثی حق :۔ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے۔ اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہم کسی شخص کی شرافت۔ رذالت۔ بہادری۔ بزدلی وغیرہ

کا پتہ لگا سکتے ہیں جیسے کہ ایک کہاوت بھی ہے۔ " باپ سنے نہ ماری پڑی بچہ تیرانداز"۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو ہر ایک بچے کا حق ہے۔ کہ وہ اچھی فضا میں پیدا ہو۔ مگر بعض کا یہ موروثی حق ہم اپنی خود غرضی سے چھین لیتے ہیں۔ اچھی صحت، تندرستی اور بہادری کے عوض جو اس کا حق ہے اسے بزدلی، بدکاری، گناہ اور طرح طرح کی بیماریوں کے ورثہ میں دے دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ بچہ بہت ہی صاحب قسمت ہے۔ جس نے ورثہ میں تندرست بدن، مضبوط رگ و ریشے، دلاور اور بہادر خون اور تندرست دماغ حاصل کیا ہو۔

ماحول و تعلیم:- بچہ موروثی طور پر کسی مذہب یا زبان کو یا کسی تہذیب یا طریقے کو حاصل نہیں کرتا۔ مگر اس میں قدرتی طور پر ان سب کو حاصل کرنے کا ملکہ ضرور ہوتا ہے۔ اسی لئے ابتدا میں مندرجہ ذیل ماحول اس پر بہت ہی اثر انداز ہوتا ہے۔

مثلاً قدرتی مناظر، لوگ جن کے درمیان وہ ہے۔ والدین، اُستاد سکول اور دیگر بچے چرچ یا کلیسیا۔ یہ سب مل کر اس کی تہذیب بناتے ہیں۔ لہٰذا ایک بچے کے لئے ایک بہترین ماحول کی ضرورت ہے بہترین دوستوں کی اور بہت ہی صاف فضا کی ضرورت ہے۔ جس کے زیر اثر اس کی اندرونی قوا ترقی کر سکیں۔

مرضی یا ارادہ:- ہر ایک شخص کو خدا نے آزاد مرضی عطا کی ہے کہ وہ اس کے استعمال سے نیک اور بد میں امتیاز کر سکے۔ اور اس طرح سے اپنے لئے اچھا راستہ اختیار کرے۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ اس مرضی کا استعمال ضمیر کو دبا کر بھی کرتے ہیں۔ اور اپنی مرضی

یا ارادے کو اس قدر اپنا غلام بنا لیتے ہیں کہ ان کی زندگی غلامی کی زندگی
بن جاتی ہے ۔ لازم ہے ۔ کہ انسان ہر ایک بہتر چیز کو جو کہ خدا اور انسان
دونوں کو پسند ہے اختیار رکھے ۔ پولوس فلپی ۴: ۸ آیت میں یوں
بیان کرتا ہے :-

غرض اے بھائیو ۔ جتنی باتیں سچ ہیں ۔ جتنی باتیں شرافت کی
ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ جتنی باتیں نیکی اور تعریف کی ہیں ان پر غور کرو ۔ اسی
طرح گلتی ۶: ۷ میں آیا ہے "کیونکہ آدمی جو کچھ بوتا ہے وہی کاٹے گا"

کیونکہ ہماری دلچسپیاں ہماری توجہ کا باعث ہوتی ہیں ۔ اور توجہ
سے خیالات پیدا ہوتے ہیں ۔ خیالات سے کام اور کام سے عادت اور
عادت سے سیرت یا کیریکٹر اور سیرت سے ہماری عاقبت بنتی ہے ۔
لہٰذا کتنا ضروری ہے ۔ کہ انسان اپنی مرضی اور عادت پر قابو حاصل
کرے تاکہ اس کی عاقبت اچھی رہے ۔

انسان اور اس کے مختلف قسم کے مزاج اور طبیعتیں :-

گو ہم اوپر سے ایک طرح کے معلوم ہوتے ۔ دوسرے انسانوں کی
طرح ہمارے بھی دو ہاتھ دو پاؤں وغیرہ ہیں ۔ مگر یہ واضح رہے کہ
ہمارے شہر میں یا ملک میں یا قصبے میں جتنے بھی انسان ہیں ان
میں ظاہری تو کوئی اختلاف نہیں ۔ مگر باطن میں یا طبیعتاً وہ ایک
دوسرے سے بہت ہی مختلف ہیں ۔ یہ سب ہمارے موروثی مزاج
عادات اور ماحول کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ عالم چار قسم کے مزاجوں کا بیان
کرتے ہیں ۔ جو ہم ذیل میں بالاختصار بیان کریں گے :-

اول :- دموی ۔ ایسے مزاج کے لوگ بہت ہی جلدی جوش میں آ

جاتے ہیں۔ اور جلدی ہی فرو ہو جاتے ہیں۔ ان پر تھوڑی خوشی اور تھوڑی غمی اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ یہ مزاج بہترین قسم کا مزاج کہلاتا ہے۔ کیونکہ زندگی کے غم کسی دوسری کیفیت کے زیر اثر ہو کر جاتے رہتے ہیں۔ اور ایسی قسم کے لوگ عام طور پر خوش اور پُر لطف زندگی بسر کرتے ہیں۔

دوم :۔ صفراوی :۔ اس مزاج کے لوگ بہت ہی لطیفہ ور طبیعت کے ہوتے ہیں۔ جلدبازی اور شعلہ مزاجی ان کا خاصہ ہوتا ہے۔ یہ قوت سے معمور۔ ارادے سے مملو۔ خیالات کے بگولے ہوتے ہیں اور ان کو عمل میں لانے کے لئے بے قرار رہتے ہیں۔ اس مزاج کے لوگ عموماً قوی ہادی فاتح۔ لیڈر اور مصلح بنتے ہیں۔ مثلاً پولس۔ لوتھر وغیرہ۔

سوئم :۔ سوداوی :۔ اس مزاج کے لوگ اپنے خیالات کی تکمیل میں بہت مرتبہ جلدی اور بعض دفعہ آہستگی سے کام لیتے ہیں۔ اور ہمیشہ گہری سوچ اور فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔ رنجیدہ اور متفکر رہنا اس مزاج کا عام شیوہ ہے۔ اگر وقت پر ایسے مزاج کے لڑکوں کو سنبھال لیا جائے تو بعد میں وہ لوگ بہت ہی بڑے اور نامور آدمی بن جاتے ہیں۔ یونانی لوگ اکثر کہتے ہیں کہ ان کے مصلح اور فلاسفر یعنی افلاطون۔ سقراط وغیرہ اسی مزاج کے لوگ تھے۔

چہارم :۔ بلغمی :۔ اس مزاج کے لوگ اپنے ارادوں کی تکمیل میں سست اور کمزور ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے تقلید کرنا ان کا شیوہ ہے۔ یہ کبھی لیڈر نہیں بن سکتے۔ اور یہاں تک محتاط ہوتے ہیں کہ اپنی خداداد لیاقتوں اور قابلیتوں کا بھی دوسرے لوگوں سے

اخفا کرتے ہیں۔ اور اپنی جماعت میں ہمیشہ علیحدہ رائے رکھتے اور جماعت کے لئے ناکارے اور بے کار ثابت ہوتے ہیں۔

ہم نے اُوپر اختصاراً مختلف مزاجوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ سب خدا کی طرف سے انتظام ہیں۔ اب یہ یاد رہے۔ کہ جیسے اِنسان کے مزاج مختلف ہیں ویسے ہی مذہبی تبدیلیوں کو مختلف طریقوں سے اپنی زندگیوں میں لیتے ہیں۔ جیسے ایک کے لئے مذہب ایک خوش کن نصاب ہے۔ دوسرے کے لئے ایک دلاوری کا عمل ہے۔ اور اسی طرح تیسرے کے لئے محض سوچنا۔ دعا مانگنا اور مصائب کو برداشت کرنا ہے۔ بلکہ چوتھے کے لئے بھی ایک روزمرہ کی زندگی ہے۔ جس میں کوئی مدوجزر نہیں۔

ہر ایک مسیحی کو لازم ہے۔ کہ ہم حقیقتوں کو اچھی طرح سمجھ کر حقیقی معنی میں خداوند کی خدمت کر سکیں۔ تاکہ ہماری عبادت بے سود نہ ہو۔

نیچر و۔ اِنسان کا باہمی رشتہ یا تعلق:-

۱۔ آدمی کا رشتہ فطرت یا نیچر کے ساتھ حاکم یا مالک کا ہے۔ آدمی کا کام ہے۔ کہ وُہ نیچر پر قابو پائے۔ وُہ اشرف المخلوقات ہے اور اسی لئے لازم ہے کہ وُہ اس پر حکومت کرے۔ اور اسے اپنے ذاتی اور نجی مصارف و فوائد کے لئے ایک خادم کی طرح استعمال کرے (پیدائش ۱: ۲۸ و ۹: ۲-۳-عبرانی ۲: ۱-۸ آیات۔ اکرنتی ۳: ۲۲) نہ کہ مقامی اور وقتی حالات کے زیر اثر اور مطیع ہو کر اپنے آپ کو غلام بنا کر زندگی بسر کرے۔ کیونکہ دنیا کی سب چیزیں اِنسان ہی کے تحفظ اور مصارف کے لئے خلق کی گئی ہیں۔ یہ ایک کل کی طرح ہیں جن پر قابو پانا انسان کا فرض منصبی ہے۔ وُہ حاکم ہے اور ضروری ہے کہ وُہ

حکومت کرے۔

نیز جس طور سے وُہ دُنیا اور مافیہا پر خدا کی طرف سے حاکم اور نائب بنایا گیا اور وُہ حاکم ہے بھی۔ اسی لئے ضروری ہے کہ وُہ اپنے بدن پر بھی حکومت کرے۔ اور اپنے نفس خواہشات۔ طاقت اور لیاقت پر قابو پائے۔ تاکہ ان سب کو اپنی روحانی زندگی کی بہتری کے لئے استعمال کر سکے۔ کیونکہ جسم کے تابع رہنا نہ صرف غلامی ہی ہے بلکہ گناہ بھی ہے۔ دیکھو یوحنا ۸: ۳۴۔ کیونکہ اپنے جسم پر اور اس کی تمام رغبتوں پر قابو پانا اور اپنے ماتحت کرنا اپنے لئے مکمل آزادی کے دروازے کو کھولنا ہے۔

۲۔ انسان کا رشتہ انسان سے بھائی کا ہے۔

امثال ۲۲: ۲۔ متی ۳۰: ۳۵ - ۲۸ و ۲۳: ۸ و ۱۱۔ اعمال ۱۰: ۲۸ و ۱۷: ۲۶ و گلتی ۳: ۲۸۔

کلام فرماتا ہے۔ کہ تُو اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ اور اپنے عداوت رکھنے والوں کے لئے نہ صرف دعا ہی مانگ بلکہ ان کو پیار بھی کر۔ یہ ہم سب پر فرض بھی ہے۔ اگر خدا ہمارا باپ ہے تو ہم سب بھائی ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کی شخصیت اہم ہے۔ اور اسی طرح مذہب اور تہذیب ترقی کر سکتی ہے۔ اپنے پڑوسی کو اپنی مانند محبت رکھنے کا یہ مطلب ہے:-

(الف) اس کی زندگی کی اپنی زندگی کی طرح حفاظت کرنا۔

(ب) اس کی صحت کا اپنی صحت کی طرح تحفظ کرنا۔

(ج) اس کے مال و دولت، عزت و آبرو کو ترقی و بہبودی کا اپنی

طرح خیال کرنا۔ اور ہر طرح اور ہر طور سے اصلی پڑوسی بلکہ حقیقی بھائی کی طرح اس کا پاس داری کرنا۔ اب یہ سب باتیں بالکل معمولی سی معلوم ہونگی۔ بشرطیکہ ہم اپنے فرض کو ایمانداری سے پورا کریں۔ کیونکہ یہی ایک واحد مقصد ہے۔ جسے پورا کرنا خدا نے انسان کا فرض ٹھیرایا ہے۔

۳۔ آدمی کا رشتہ خدا سے فرزند کا ہے۔

بیٹے ہونے سے مراد ہے۔ مشابہت۔ اور اسی لئے آدمی کو سیرت اور مزاج کی رُو سے خدا کی مانند ہونا چاہیئے۔ بشرطیکہ اس میں محبت خوشی، پاکیزگی، نیکی، رحم جیسی خاصیتیں موجود ہوں۔ نیز بیٹے کا فرض ہے کہ وہ باپ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے۔ اور اس کی عزت ہمیشہ اس کی آنکھوں میں۔ دل میں اور ہونٹوں پر موجود ہے۔ اس سے لحاظ رکھے اور ہر ایک بات کے لئے اس کی مرضی کو دریافت کرے۔ اور کہتا رہے "تیری مرضی پوری ہو"۔

ششم:۔ انسان کی قدر و منزلت:۔

آدمی اشرف المخلوقات ہے۔ خدا نے اسے سب پر حاکم اور مختار ٹھیرایا ہے۔ اور اسے فرزند کہا ہے۔ کیونکہ اپنی صورت پر خلق کیا ہے۔ اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا ہے۔ یعنی اس میں ایک ابدی رُوح ڈالی ہے۔ لہٰذا انسان دنیا کی تمام چیزوں میں جو خدا نے پیدا کیں کاملیت کا نمونہ ہے۔ اسی لئے دنیا کی کسی چیز کی کوئی قدر وقیمت مقرر نہیں ہوتی۔ جب تک انسان اس کے لئے کچھ تجویز نہ کرے۔ مثلاً روپیہ۔ چاندی۔ سونا۔ مال۔ کپڑا۔ جانور۔ پرند۔ چرند وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کی خدا کے حضور میں بہت قدر ہے۔ کیونکہ رُوح جو اس میں ہے وُہ ابدی ہے۔ لازوال ہے۔ اس کا قالب جو مٹی سے بنا ہے جاتا رہیگا۔ پر رُوح اپنے مالک خداوند کے پاس تا ابد رہے گی۔ کلام مقدّس کی تعلیم اور مسیح کے مردوں میں سے جی اُٹھنے سے ہمارا ایمان بھی مثل ہمارے بزرگوں کے ایمان کے آئندہ زندگی کے متعلق مستحکم ہوتا جاتا ہے۔ ہماری زندگی اس دنیا میں اگر مسیح خداوند کی مرضی کے مطابق صرف ہوتی ہے تو وُہ اس دنیا میں بھی فردوس میں ہے ورنہ دوزخ میں ✦

تیسرا باب

گناہ کے متعلق علمِ الٰہی کی تعلیم

عقل کی رُو سے سب بنی آدم کا گناہگار ہونا ثابت ہے۔

ہر ایک انسان کا مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ کہ کل بنی آدم گناہگار ہیں۔ اور اب وہ تجربہ یا مشاہدہ جس ظاہری سے ہو یا باطنی سے۔ اور اسی لئے ہم کسی ایسے شخص کا حوالہ نہیں دے سکتے۔ جس کی حرکات سے پورے طور پر آگاہ ہوں۔ اور پھر اُس کو بے قصور پائیں۔ استقرائے تام سے یہ ثابت ہے۔ کہ کل بنی آدم گناہگار ہیں۔ اور استقرائے تام سے یہ مراد ہے۔ کہ کسی نوع (GENUS) کے جتنے بھی افراد انسانی ہماری نظر سے گزرتے ہیں وہ سب کے سب گناہگار ہیں۔ اِس لئے استقرائے تام کے طور پر یہ ثابت ہے کہ کل بنی آدم گناہگار ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں "جتنے لوگ ابھی تک پیدا ہوئے ہیں وہ سب مرتے ہیں۔ اس لئے کل خلق فانی ہے۔"

دوم ا۔ اس میں شک نہیں کہ گناہ کی طرف انسان کا میلان طبعی ہوگا۔ یا ارادی یا جبراً۔ ارادی ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ گناہ کا ارادہ کرنے سے پہلے انسان میں گناہ کی طرف میلان ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلے خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور ارادہ بعد میں ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے۔ کہ کوئی شخص بھی گناہگار کہلانا یا بننا پسند نہیں کرتا بلکہ برخلاف

اس کے ہر ایک انسان کہے گا۔ کہ نیک ارادہ تو مجھ میں موجود ہے۔ مگر نیک کام بن نہیں پڑتے۔ جبراً بھی ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر جبراً اعتقاد گناہ ہے تو انسان اپنے گناہ کا ذمہ وار نہ ٹھیرے گا۔ اور ایسی حالت میں خدا کی عدالت کی کوئی ضرورت نہ رہے گی۔ نیز ازروئے تجربہ انسان جانتا ہے کہ اس کی کوئی خواہش کسی بیرونی جبر کے ماتحت نہیں۔

اب ہم نے معلوم کر لیا۔ کہ گناہ کی طرف انسان کا رجوع نہ تو ارادی ہے اور نہ جبراً۔ تو ضرور طبعی ہوگا۔ اور اگر طبعی ہے۔ تو یہ بیماری عالمگیر ہے۔

گناہ کی طرف میلان بطور عادت کے ہوگا۔ یا طبعی۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک موروثی اور دوسری طبعی ثانی۔ مگر یہ ظاہر ہے۔ کہ عادت کے متعلق ایک فرد کا کسب جداگانہ ہے۔ ہر ایک اپنے لئے خود عادت کماتا ہے۔ یا پیدا کرتا ہے۔ نہ کہ اس کی عادت موروثی ہوا کرتی ہے کیونکہ عادت کے ساتھ یہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ کہ کب اس کی ابتدا ہوئی اور کب یہ عادت بن گئی۔ اسی طرح گناہ اگر عادت کہی جائے تو اس عادت کی ابتدا کا پتہ نہیں کہ کب ہوئی۔ مگر یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ ہر عادت کوشش سے چھوٹ سکتی ہے۔ مگر گناہ کی طرف میلان ان سب امور سے علیحدہ ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ یہ بطور عادت کسبی کے نہیں۔ بلکہ طبیعت موروثی ہے۔ اور طبیعت موروثی ضرور ہمہ گیر ہوتی ہے۔

اب موروثی کے متعلق جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ گناہ کی طرف میلان طبعی ہے۔ تو اس پر سوال لازم آتا ہے۔ کہ یہ طبیعت فطری ہے یا موروثی۔ یعنی خدا نے انسان کو ایسی فطرت پر پیدا کیا یا بنایا۔ یا

والدین سے یہ ورثہ میں ملا۔ بائبل مقدس سے یہ ظاہر ہے۔ کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر یعنی راست اور نیک بنایا۔ رومیوں کے پانچ باب میں یہ پورے طور پر واضح ہے۔ کہ انسان کیسے گناہ میں مبتلا ہو گیا۔ نیز جب خدا باپ پاک اور عادل ہے۔ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ پاک منبع سے ناپاکی نہیں نکل سکتی۔ اور نہ ہی عادل کے لئے جائز ہے۔ کہ انسان میں گناہ کی طبیعت پیدا کر کے پھر اس سے گناہوں کا حساب طلب کرے۔ کیونکہ یہ عدل کے سراسر خلاف ہے۔ دوسرے خداوند باپ پاک ہے۔ اس لئے وہ ناپاکی کو پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے یہ ثابت ہوا۔ کہ گناہ کی طرف رغبت یا میلان۔ یا طبعی بگاڑ موروثی ہے۔ اور بنی نوع انسان جو آدم کی اولاد ہے۔ اس میں مبتلا ہے۔

ایک عالم بیان کرتا ہے۔ کہ گناہ حقیقت میں راستہ سے بھٹک جانا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ کونسا نشان ہے۔ جس سے ہم بھٹک کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور جس تک پہنچنا ہمارا فرض تھا۔ مندرجہ بالا ابواب میں ہم نے ذکر کیا۔ کہ آدمی در حقیقت قدرت فطرت اور نیچر کا خدا کی طرف سے مقرر کردہ مالک اور مختار ہے۔ اور اپنے ہم جنس انسانوں سے اس کا رشتہ بھائی اور خدا سے اس کا رشتہ بیٹے کا ہے۔ اب بیٹے کے لئے لازم ہے۔ کہ اپنے باپ کی مرضی پر عمل کرے۔ یہ ہی انسان کے لئے خدا کی طرف سے معیار یا نشان ہے۔ اسی کو پورا کرنے سے انسان خدا کی بادشاہت کا فرزند بن کر اپنی زندگی میں دیکھ لیتا ہے۔ اب ان باتوں کو فراموش کر دینا گناہ ہے۔ آؤ ہم دیکھیں کہ ہم کس کس کے خلاف اور کیسے کیسے گناہ کر

نتیجتے ہیں :-

۱ اوّل - نیچر کے خلاف گناہ - اس میں ہمارا گناہ یہ ہے - کہ اگرچہ ہم اس کے مالک اور مختار ہیں ہم اس کے تابع ہو کر غلام تک بن جاتے ہیں - اور فطرت کے اور اپنے مقاصد جسم کے ہاتھوں اپنے آپ کو فروخت کر دیتے ہیں - اپنی خواہشات اور مقاصد کی غلامی اور آزمائشوں کے قابو میں آجانے کا مطلب یہ ہے - کہ ہماری رُوح اپنے اصلی معیار سے گِر کر دنیا کی ہو گئی ہے - اب لازم تو یہ ہے - کہ ہم بیرونی طور سے تو دنیا اور اندرونی طور سے جسم پر قابو حاصل کر کے رُوح کے غلام بن جائیں جس سے خدا کی بادشاہت کی ترقی ہو -

دوم :- انسان کے خلاف گناہ - انسان کو لازم ہے - کہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھے - یعنی اس کی زندگی - صحت - ناموری - مال و دولت اور خوشی کی ویسے ہی محافظت کرے جیسے کہ اپنی کرتا ہے - ہم نے دیکھا ہے - کہ کتنی مرتبہ بے خیالی اور خودغرضی سے ہم نے اپنے بھائی اور پڑوسی کے برخلاف گناہ کیا - اور ہم نے رحم اور بھلائی کے کاموں سے اپنے ہاتھ کو اٹھا لیا - اور بجز نیکی اور بھلائی کرنے کے جس کے ہم اہل تھے ہم نے کچھ نہ کیا - کیونکہ سچی محبت اور حقیقی ایمانداری ہمیشہ مہربان - رحیم - مددگار - خود انکار اور خدمتگزار ہوتی ہے - اور اس کا دائرہ الفت محدود نہیں ہوتا - بلکہ وہ سب کے لئے یکساں اور برابر ہوتی ہے - وہ جو کہ اپنے ہمسائے کی ترقی اور بھلائی کا خواہاں نہیں ہوتا اور جو خدمتگزاری سے غافل رہتا ہے - اور خدا کی بادشاہت کی اشاعت - اور نیکی اور راستبازی کی توسیع نہیں

کرتا۔ وُہ سنگین سے سنگین گناہ کا مُرتکب ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک راستی یا بھلائی کے کام کو نہ کرنا گناہ ہے۔ اور جب کہ ہم برادرانہ طور سے زندگی بسر نہیں کرتے تو ہم گناہ کرتے ہیں۔

3 سوم:۔ خدا کے خلاف گناہ۔ ہر ایک گناہ خواہ وُہ قولاً۔ فعلاً اور خیالاً ہو خدا کے خلاف ہے۔ خدا نے انسان کو لے پالک ہونے اور فرزند بننے کا مرتبہ بخشا ہے۔ اور یہ بھی استحقاق بخشا ہے۔ کہ ہم سب اس کے بیٹے کہلائیں۔ بشرطیکہ پورے طور سے اُسے قبول کریں۔ اور اس کی عزت تعظیم۔ تابعداری اور شکر گذاری بیٹے کی حیثیت میں ادا کریں۔ نہ کہ محکوم کی حیثیت میں۔ انسان کی عزت اُس سوسائٹی جس میں وُہ رہتا ہے خواہ کتنی ہو۔ لیکن اگر وُہ خدا کے منظورِ نظر نہیں۔ یا اس کی مرضی کے موافق کام نہیں کرتا۔ تو وُہ اپنے نشان سے گمراہ ہے اور گناہگار ٹھہرتا ہے۔ بے ایمانی اور بے پرواہی ایسے گناہ ہیں جو روح کو کمزور کر دیتے ہیں۔ اور ہماری جان کی ہلاکت کا سبب ہوتے ہیں۔

چہارم:۔ آزمائش کا مسئلہ:۔ بنی نوع انسان جب تک اس خاکی بدن میں ہے۔ اور اس زمین پر سکونت کرتا ہے۔ اس کی آزمائش ہوتی رہتی ہے۔ یعقوب رسول اپنے خط کے پہلے باب کی تیسری آئیت میں یوں فرماتا ہے۔ "تو اس کو یہ جان کر کمال خوشی کی بات سمجھنا کہ تمہارے ایمان کی آزمائش صبر پیدا کرتی ہے۔ اور صبر کو اپنا پورا کام کرنے دو۔ تاکہ تم پورے اور کامل ہو جاؤ"۔ اب یہ آزمائش ہماری کاملیت کا پیش خیمہ ہُوا کرتی ہے۔ صبر اس کی انتہائی منزل ہے۔ جس کو حاصل کرنا ضرور ہے۔ تاکہ ہم کامل ہو جائیں۔ اور یہ کاملیت دن بدن ترقی

کرتی ہوئی مسیح کے قد کے اندازے تک پہنچ جاتی ہے۔

ہمارے منجی خداوند مسیح بھی آزمائے گئے محض بیابان میں نہیں بلکہ خاص طور پر اس وقت جب انہوں نے اپنی زمینی خدمت ختم کر لی۔ اور وہ ہم سب کے لئے فدیہ میں اپنی جان صلیب پر دینے والے تھے۔ تو ان کی آزمائش ہوئی۔ مرقس ۱۴: ۳۴ "اور ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے"۔ (περίλυπη ψυχή) نہایت غمزدہ ہونا ...... اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے ...... میری مرضی نہیں تیری مرضی پوری ہو"۔ یہ تھی آزمائش کی انتہا۔ مگر پھر بھی وہ بے گناہ رہے۔ اور فاتح ہوئے۔ اب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ آزمایا جانا اپنی ذات میں گناہ نہیں۔ البتہ آزمائش میں گر جانا گناہ ہے۔

نیز آزمائش ہمیشہ ایک دلفریب اور دلکش صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ جیسے ہم نے دیکھا۔ کہ حوا کے سامنے وہ ایک دلفریب "اور دیکھنے میں اچھے" پھل کی صورت میں پیش ہوئی۔ دیکھنے میں بھلا۔ کھانے میں مزیدار۔ عقل بخشنے میں خوب۔ مگر آزمائش کی صورت تھی اور ہماری ماں حوا اس میں گر گئی۔ اور اس کا نتیجہ ہم سب پر عیاں ہے۔ خوبصورتی۔ خوراک۔ عقل۔ یہ تینوں اپنی جگہ بہت ہی مفید اور کارآمد باتیں ہیں۔ مگر اس جگہ ان کا استعمال غلط کیا گیا۔ کیونکہ ہر ایک آزمائش انسان کے سامنے اپنا تاریک پہلو پیش نہیں کرتی۔ بلکہ روشن

کو ان باتوں میں خرچ کریں۔ جو خدا کی نظر میں بھلی اور مقبول ہوں۔ اور جن میں خود غرضی کا عنصر ہو۔ اسی طرح سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک اور آزمائش ہمارے ہی خداوند پر آئی۔ یعنی بادشاہ بن جانے کی۔ اور جس کو کئی نبیوں نے فوراً ہاتھ بڑھا کر لے لیا۔ مگر خداوند مسیح نے اس کو ایک آزمائش سمجھا۔ گو جس وقت اس کے محبت کرنے والے یہودیوں کے سامنے وہ آزمائش نہ تھی۔ مگر خداوند نے جو عالم الغیب تھے۔ اُن کے اِن ارادوں کو بھانپا جو وہ رکھتے تھے۔ جس سے خداوند کی زندگی کا مقصود فوت ہو جاتا تھا۔ کیونکہ اس کی زندگی محبت۔ خدمت اور قربانی کے لئے تھی۔ کیا وہ بادشاہ بن کر یہ سب کر سکتا تھا کیا اس کے امراء اور اراکین اس کو یہ کرنے دے سکتے تھے۔ ہرگز نہیں۔

اس نے اس تخت کا راستہ نہیں بلکہ صلیب کا راستہ ہی اختیار کیا۔ جو کہ ہم کو خدا کے گھر کی طرف لے جاتا ہے۔

پنجم :۔ گناہ کی مزدوری :۔ کتاب مقدس یہ بتاتی ہے "گناہ کی مزدوری موت" اور شخصی تجربہ اس کا گواہ ہے۔ گناہ ایک ایسی بیماری ہے۔ جو عارض ہوتے ہی جان۔ دل اور ضمیر اور روحانی زندگی کو یکدم برباد۔ تباہ اور مردہ کر دیتا ہے۔ اور گناہگار خدا سے منہ موڑ لیتا ہے۔ نیکی اور خوبصورتی کی طرف سے اس کی آنکھیں پھر جاتی ہیں۔ اور خدا کی بادشاہت کے عوض میں اپنے دل کی بادشاہت کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اور یہ

نیا طریقہ اس کے لئے ناکامیابی کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے
اس کا نہ صرف نقصان ہی ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی روحانی موت
برپا ہو جاتی ہے۔ اور وہ جہنم کا ایندھن ثابت ہو جاتا ہے۔

گناہ خدا کی پاکیزہ مرضی سے سرکشی کرنے کا نام ہے اور
اسی لئے روح القدس نازل ہوا۔ کہ دنیا کو اس گناہ کی غلامی
سے آزاد کرے۔ پولوس ایک بہت ہی خوبصورت تصویر فلیمون
کے خط میں پیش کرتا ہے۔ دیکھو ۱۷ سے ۱۹ تک بالخصوص ۱۸
آیت "اگر اس نے تیرا کچھ نقصان کیا ہے۔ یا اس پر تیرا کچھ آتا
ہے۔ تو وہ میرے نام لکھ لے"۔ "میں پولوس اپنے ہاتھ سے لکھتا
ہوں۔ خود ادا کروں گا"۔ وہ قرض جو کہ ہر ایک فرزند کے اوپر
ہے۔ اور جو آزاد ہونے کا خواہشمند ہے اس کا قرض ادا کرنے
کو خداوند مسیح خود تیار ہیں۔ مگر ہم میں یہ بدی پائی جاتی ہے۔
کہ ہم اپنی بگڑی ہوئی طبیعت سے پاک روح کو رنجیدہ کر دیتے
ہیں۔ یا کلام کے مطابق اس کو بجھا دیتے ہیں"۔ جس سے
ہماری اپنی ہی بربادی ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ متواتر کرتے رہنے
سے ہماری عادت پختہ ہو جاتی ہے جس کا ترک کرنا مشکل بلکہ
محال ہو جاتا ہے۔ اور پھر انسان خداوند مسیح، اس کے فضل محبت
اور کفارے کو ٹھکرا کر اس کے برخلاف جو خداوند کا پاک روح فرماتا
ہے کفر بکتا ہے۔ اور یہی روح کے برخلاف گناہ ہے۔ جو کہ کبھی
بخشا نہیں جاتا۔ اور یہی گناہ جب تک انسان کے دل میں رہتا
ہے۔ اس کو خدا سے جدا رکھتا ہے۔ انسان اندھیرے اور

تاریکی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اور آخر کار تبدیج ایسی منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔ جو تباہی ہوتی ہے۔ اور یہی گناہ کی مزدوری

ششم :۔ "مگر خدا کی بخشش" : اسی آیت کا دوسرا جزو یہ ہے۔ کہ خدا کی بخشش ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی ہے۔ علاوہ بریں یوحنا کی انجیل ۳ : ۳۶ آیت میں ایک کھلا خط اور چیلنج ہمارے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ "جو بیٹے پر ایمان لاتا ہے۔ ہمیشہ کی زندگی اسی کی ہے۔ لیکن جو بیٹے کو نہیں مانتا زندگی کو نہ دیکھے گا۔ بلکہ خدا کا غضب اس پر رہتا ہے"۔ بیٹے کو ماننا اور اس سے ویسے ہی محبت رکھنا جیسے کہ وہ ہم سے رکھتا ہے۔ یہ دنیا کے سامنے ایک سہل راستہ ہے۔ جو کہ مسیحی مذہب پیش کرتا ہے۔ خدا باپ گناہ سے نفرت کرتا ہے۔ مگر گناہگار سے محبت۔ مگر یہ خیال ضرور رہے۔ کہ گنہگار کو اپنے آپ بخشش نہیں دیتا جب تک کہ گناہگار کے اپنے دل میں گناہ کے لیے نفرت پیدا نہ ہو جائے۔ اور وہ سچے ارادے سے توبہ نہ کرے۔ اور اس سے رُوپوشی اختیار نہ کرے اور اس کے حضور نہ آئے۔ وہ اپنا فضل کا ہاتھ نہیں بڑھاتا۔

کیونکہ خدا نے جہان سے ایسی محبت رکھی۔ کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا" تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ یوحنا کی انجیل ۳ : ۱۶ ۔

خدا ہر ایک منحرف بیٹے کو واپس لاتا ہے۔ یا اس کے واپس
لانے کا انتظام کرتا ہے۔ کیونکہ وہ گنہگار فرزند کو پیار کرتا ہے۔
اور اسی لیئے اُس نے اپنے اکلوتے فرزند کو دنیا میں بھیجا تاکہ کھوئے
ہوؤں کو ڈھونڈے اور بچائے +

چوتھا باب

خداوند یسوع مسیح کے متعلق تعلیم

اِس باب کے شروع میں ہم چند علماء کے خیالات مختصر طور پر پیش کریں گے۔ تاکہ ہم کو معلوم ہو۔ کہ گذشتہ زمانے کے علماء کا خیال ہمارے ربّی۔ منجی اور خداوند کے لئے کیا تھا۔ مسٹر لیکی جو تواریخ اخلاق کے مصنف ہیں فرماتے ہیں۔ "یسوع کی مشغول زندگی کے تین چھوٹے سالوں نے بنی آدم کو از سرِ نو پیدا کرنے اور ملائم بنانے میں وہ کام کیا ہے۔ جو فلاسفروں کی فلسفانہ تقریروں اور تحریروں سے اور معلمانِ علم الاخلاق کی تمام نصیحتوں سے نہ ہوا۔"

جان سٹورٹ مل ماہر علم النفس:۔ "کون ایسا شخص پیدا ہو سکتا ہے۔ جو ان اقوال کو جو مسیح سے منسوب کئے گئے ہیں۔ اپنے ذہن سے گھڑ سکتا ہے۔ یا اس تصویر کو جو مسیح کی زندگی اور سیرت کے متعلق صفحاتِ انجیل میں روشن ہے۔ اپنے قیاس میں لا سکتا ہے"۔

پادری کمارینکی صاحب فرماتے ہیں:۔ "خداوند مسیح عدیم المثل تھا۔ ہاں وہ نہ صرف گناہگاروں سے الگ تھا بلکہ مقدسوں سے بھی نرالا تھا۔ کیونکہ بنی آدم کے درمیان جو مقدس گزرے ہیں۔

وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ وہ کس طرح معرفت کے اعلےٰ کے زینے تک پہنچے۔ یعنی کس طرح نچلے زینہ سے شروع کر کے آنسوؤں اور دعاؤں سے محنت کرتے ہوئے اور توبہ کے کٹھن راستہ سے گزر کر نئی زندگی کی راہ تک پہنچے۔" مگر خداوند مسیح پاکیزہ ازل اور ابد سے خدا کے ساتھ اور اس میں تھا۔

تقریباً ۱۹۳۹ سال ہوئے جب کہ بیت الحم کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں جو کہ گلیل کا ایک قصبہ تھا۔ ہمارے ربّی خداوند یسوع پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ اور پنطس پلاطوس کے عہد میں ساڑھے تین سال خدمت کرنے کے بعد مصلوب ہوئے۔ جو صوبہ تھا۔ ان دنوں تبریاس سوم کا تیدر تھا۔ اب ان سب واقعات کی تواریخ گواہ ہے۔ اور نیز ہمارے ربّی کی زندگی ایک ایسی صداقت ہے جس کے سامنے اور سب صداقتیں ماند ہیں۔

اگر آپ تواریخ کلیسیاء کا مطالعہ کریں تو آپ پر روشن ہوگا کہ خدا نے اپنے بیٹے کو وقت کے پورا ہونے پر بھیجا۔ دیکھو گلتی ۴: ۴ آیت۔ اور اسی لئے اس نے اس کی آمد کے لئے مکمل تیاری کر دی تاکہ اس کو اس کے کام میں مکمل کامیابی ہو۔ اب ہم ذرا ان کامیابوں کے وسائل پر غور کرینگے۔ جو تواریخ نے اس کی آمد پر پیدا کر دیئے۔

اوّل:۔ یہودی لاکھوں کی تعداد میں ادھر ادھر منتشر ہو چکے تھے یہاں تک کہ وہ بابل سے لے کر اسپین تک پھیل چکے تھے۔ اور انہوں نے ہر جگہ اپنا عبادت خانہ بھی تعمیر کر کے اپنے عقیدے

کی تبلیغ بھی کر لی تھی۔ اور ہر خاص و عام کو واحد خدا اور اس کے انصاف و احکام کے متعلق آگاہ کر کے مرید بنا لیا تھا۔ ایک عجیب بات جو اس وقت ہوئی وہ یہ تھی۔ کہ اس وقت کلام مقدس کی سب سے پرانی جلد یعنی پرانے عہدنامہ کی کاپی محض یونانی زبان میں موجود تھی۔ اور یہ پرانی کتاب بہت سے لوگوں کو نو مرید بنانے میں کامیاب ہو گئی۔

دوم :۔ تمام رومی علاقے میں محض ایک ہی زبان رائج تھی۔ اور یہ جو ۳۳۲ قبل از مسیح سکندر اعظم کے وقت سے چل چکی تھی۔ اس لئے یونانی زبان کا بول بالا نہ صرف ان ہی علاقوں تک محدود تھا۔ مگر تاجر لوگوں کے ذریعہ سے اور دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔

سوم :۔ اس زمانے میں تمام دنیا پر رومی حکومت تھی اور اسی کی وجہ سے تمام دنیا میں اتفاق تھا اور تمدنی اور سیاسی امن اور صلح تھی۔

چہارم :۔ آمد و رفت اور تجارت سڑکوں کی وجہ سے محفوظ اور ترقی پر تھی۔ اسی وجہ سے جو پیغام سنایا جاتا تھا وہ فوراً دوسرے علاقوں میں پہنچ جاتا تھا۔ لوگ تعلیم یافتہ تھے۔ اور تاجر۔ ملاح اور استاد ہر جگہ نظر آتے تھے۔

پنجم :۔ زندگی کا نیا فلسفہ :۔ مندرجہ بالا موانست اور اتحاد کی وجہ سے ذات پات کا امتیاز اٹھ چکا تھا۔ اور ہر ایک شخص کے خیالات میں ایک دوسرے کے لئے تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ ہر ایک

صوبے میں رومی موجود تھے۔ جس کا ثبوت پولوس خود دیتا ہُوا فرماتا ہے کہ وُہ خود بھی نسل کے اعتبار سے رُومی تھا۔ مذہب کے اعتبار سے بیرونی دباؤ نہ تھا۔ اور ہر ایک کو مذہبی آزادی تھی۔ بدیں وجہ مشرقی مذاہب بغیر اعتراض اور رکاوٹ کے رومی علاقوں میں داخل ہو رہے تھے۔ اور حاکم اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کی نظر میں کسی جماعت کا کسی مقصد کے لیئے خواہ وُہ جماعتی خواہ تبلیغی خواہ عبادت کے لئے ہو فراہم ہونا قانوناً ناجائز نہ تھا۔ بشرطیکہ وُہ گروہ حکومت کی خلاف ورزی نہ کرے۔ ان ہی وجوہات کے زیرِ اثر پرانے مذاہب اور خیالات کی کو اشاعت ہو رہی تھی۔ یعنی یونانی اور رومی مذاہب کی۔ ان مذاہب کی اشاعت کی وجہ یہ تھی۔ کہ حاکم اور خاص حکومت بھی انہیں دونوں مذاہب کی پیروکار تھی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہم اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ یونانی فلسفے نے ان روحوں کی بھوک کو جو دن بدن بڑھ رہی تھی نہ بجھایا۔ اور اسی طرح سے رومی رُعب و دبدبے نے خداشناسی کی تمنّا۔ اور مذہبی آزادی اور یکسانیت کو پورا ہونے نہ دیا۔ لہذا لوگ اس نئے مذہب کو جو قدرت اور اعجاز سے پُر تھا۔ اور انسانی ضرورتوں کو پُورا کرتا تھا بخوشی قبول کر لیا۔ اور وُہ گواہی جو کلام نے خداوند مسیح کے متعلق کئی سو سال پہلے دی تھی پُوری ہُوئی۔ "یعنی جب وقت پورا ہو گیا تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا۔"

مسیح کی زندگی اور خدمت

اس جگہ ہم مسیح کی زندگی اور خدمت سے صرف چند واقعات کا بالاختصار ذکر کرینگے۔

اوّل :- خداوند مسیح جیسے کہ تواریخ اس کی گواہ ہے۔ یہودیہ کے بیت الحم میں ۵ قبل از مسیح میں پیدا ہوئے۔ اور اس وقت ہیرودیس اعظم حکومت کرتا تھا۔ جو ۴ قبل از مسیح میں فوت ہو گیا۔ وہ اپنے مجازی والد اور والدہ کے ہمراہ گلیل کے ایک قصبے ناصرت نامی میں سکونت کرتا تھا۔ اور اسی جگہ اپنے والد کا پیشہ نجاری اختیار کر کے ان کی خدمت کرتا رہا۔ اور اسی عرصے میں اس نے قدرت اور خدا کی صناعی اور مہربانی اور خدمت کا احساس حاصل کیا۔ اور کچھ اس مکتب میں جو ہیکل میں تھا معمولی تعلیم بھی حاصل کی۔

۳۰ سال کی عمر میں اس نے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بپتسمہ لیا۔ اور آسمانی بلاہٹ کو محسوس کیا۔ اور جب روح القدس اس پر نازل ہوا۔ تو اس کی آزمائش ہوئی۔ محض اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ آیا وہ اس الہٰی بخشش کو درست استعمال کرتا ہے یا نہیں۔ یا ان کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے بغیر سمجھے استعمال کرتا ہے۔ مگر اس آزمائش میں اس نے فتح حاصل کی۔

وہ ادھر ادھر جیسے کہ کلام مقدس سے اظہر ہے۔ خدا

کی بادشاہت کی منادی کرتا اور لوگوں کو ان کی بیماریوں سے شفا دیتا پھرا۔ اور لوگوں کو توبہ کی طرف مائل کرتا۔ اور ان کو ان کے گناہوں سے رہائی دیتا رہا۔ نیز اُس نے بلا امتیاز ہر ایک کو جو کسی بیماری میں مبتلا تھا صحت بخشی۔ اور نہ صرف اپنی اس خدمت کو جسمانی بیماریوں کو ہی دُور کرنے تک محدود رکھا۔ بلکہ وُہ ان کی روحانی بیماریوں کو بھی دُور کرتا رہا۔ ہم نے یہ دیکھا۔ کہ اس نے محض شفا ہی نہیں بخشی بلکہ کلام فرماتا ہے۔ اس نے مردوں کو بھی زندہ کیا۔ بدروحوں کو نکالا۔ اور طوفان کو تھمایا۔

دوم :۔ اُس نے اپنے کاروبار کو چلانے کے لئے اپنے لئے بارہ شاگرد چُنے۔ جو بعد میں اُس کے دوست بن گئے۔ تاکہ وہ اس کے متعلق اور اس کے باپ کے متعلق جس کی وُہ تعلیم دیتا تھا جانیں تاکہ وُہ ان سب باتوں کے متعلق جو خدا کی اس دنیا میں بادشاہت قائم کرنے کے لئے ضروری ہیں علم حاصل کر کے خداوند کے رفع آسمانی کے بعد اس دنیا میں کام کر سکیں۔ اور اُس کی زندگی خدمت۔ موت اور صعود کے گواہ ٹھہریں۔

وُہ صاحبِ اختیار کی طرح فقیہوں اور فریسیوں سے بحث کرتا تھا۔ اسی وجہ سے وُہ اس سے بہت ہی دشمنی رکھتے تھے۔ اور اسے پکڑنے کے درپے رہتے تھے۔ آخر کار اُن کی دشمنی یہاں تک طول پکڑ گئی۔ کہ وُہ اب اُس کی جان کے خواہاں ہو گئے۔ اور اسی وجہ سے خداوند نے خوشی سے اپنے آپ کو صلیب

کیلئے حوالے کر دیا۔ اور خود فرمایا۔ کہ مجھے اپنی جان دینے اور واپس لے لینے کا بھی اختیار ہے۔ لہٰذا خداوند پنطس پلاطوس کے عہد میں یعنی ۲۹ سنہ میں مصلوب ہوئے۔ اور تیسرے دن وُہ قبر سے جی اٹھے۔ اور اپنے شاگردوں کو اور ۵۰۰ دوسرے آدمیوں کو دکھائی دیئے اور پھر آسمان پر چڑھ گئے۔ اور اپنے آسمان جانے سے قبل آپ نے اپنے شاگردوں کو یہ بڑا حکم دیا۔ دیکھو متی ۲۸: ۱۹-۲۰۔

"اس لئے تم جاؤ اور تمام قوموں کو شاگرد بناؤ۔ اور انہیں باپ بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔ اور انہیں یہ تعلیم دو۔ کہ ان سب باتوں پر عمل کریں۔ جن کا مَیں نے تم کو حکم دیا ہے اور دیکھو میں دُنیا کے آخر ہونے تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں"۔

سوم:- مسیح نے خدمت اور دُکھ کی زندگی بسر کی۔ اگرچہ آپ ابن اللہ تھے۔ تو بھی آپ نے دنیا کی نجات کے لئے اپنے آپکو قربان ہونے کے لئے نذر کر دیا۔ اور اپنے شاگردوں سے اور مقلدین سے یہ فرمایا۔ کہ وُہ بھی اپنی زندگیاں ان لوگوں کے بچاؤ کے لئے قربان کرنے کو تیار رہیں جو کہ مسیح اور خدا سے ہنوز ناواقف ہیں۔ تاکہ وُہ بھی اُس آنے والے عذاب سے بچ کر مخلصی اور گناہوں کی معافی مسیح کے وسیلے سے حاصل کریں۔

مسیح کی تعلیم

پہلم:-

مسیح دنیاوی خدمت کا مقصد اور مدعا محض یہی تھا۔ کہ وُہ اس جگہ" آسمان کی بادشاہت" کی بنیاد ڈالے۔ اور اس نے یہی کرکے دکھایا۔ یہودی اسیری کی تکلیفوں سے تنگ آ چکے تھے۔ ان

پر مظالم ہوتے تھے۔ رنج و الم و افلاس ان کا بخرہ تھا۔ اسی وجہ سے
وہ اپنے باپ داؤد کی بادشاہت اور اس آزادی کے زمانے کے
متلاشی تھے۔ جس میں ان کے بزرگ رہتے تھے۔ اور ان سے
بیان کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی امیدیں اب ایسے بادشاہ
کی طرف لگی ہوئی تھیں جس کا نبی ذکر کرتے تھے۔ اور جن کے
بارے میں پیش گوئیاں کلام مقدس میں مندرج تھیں۔ اسی
لئے وہ ایک دنیوی۔ با اختیار حکومت چاہتے تھے۔ جس کا دار الخلافہ
یروشلم ہو۔ اور وہ بادشاہ ان کے تمام دشمنوں کو تہ تیغ کر
ڈالے۔ اور تمام دنیا پر راج کرے۔ یا اگر ایسا نہ کرے تو کم از
کم معجزانہ طور سے تو ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے تاکہ وہ
پھر عیش و آرام سے زندگی بسر کر سکیں۔

مگر آسمان کی بادشاہت جس کی تعلیم خداوند مسیح نے دی۔
اور جس کی بنیاد ڈالی۔ وہ چونکہ یہودیوں کی امیدوں کے موافق
نہ تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔
اور اس کی خدمت کے صلے میں اس کو صلیب دلائی اور رہائی
کے موقع پر اس کے عوض ایک نامی ڈاکو رہا کروا لیا۔ اور اسے جو
زندگی کا بادشاہ اور ان کا مددگار تھا بالاتفاق مصلوب ہونے
کو چھوڑ دیا۔ آسمان کی بادشاہت جس کی تعلیم خداوند نے دی
وہ کوئی دنیوی اقتدار نہ تھا۔ بلکہ وہ لوگوں کی رُوح اور دل
پر الٰہی حکومت تھی۔ اور وہ چاہتا تھا۔ کہ جیسے اُس کی
مرضی آسمان پر پُوری ہوتی ہے۔ زمین پر بھی ہو۔ اور اس

روحانی بادشاہت میں یہ قوانین رایج ہوں۔ جن کی سب رعایا بالاتفاق تقلید کرے۔ محبت۔ خوشی۔ اطمینان۔ صبر۔ خیر خواہی۔ نیکی۔ فروتنی۔ ایمانداری۔ پرہیزگاری۔ نیز یہ بادشاہت جس کے ایسے قوانین ہونگے وہ کسی محدود گروہ یا فرقے کے لئے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا اطلاق عالمگیر ہوگا۔ اور اسی وجہ سے خداوند نے خود بھی اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا "جو کوئی ایمان لائے"۔ اس کی محبت اور برکت کو حاصل کر سکتا۔ اس کی بادشاہت تمام دنیا کے لئے ہے۔ جس کی رہائی اور مخلصی کا وہ ذمہ دار ہے۔

یہ بادشاہت مار دھاڑ کرتے ہوئے نہیں آتی بلکہ آہستہ آہستہ آتی ہے۔ کلام میں اس کی ترقی بھی اندرونی طور پر بیان کی گئی ہے۔ لوقا ۱۷: ۲۱۔ مثال کے طور پر رائی کے دانے کی زندگی کو لیجئے۔ کہ کس طور سے زمین سے بڑھتا ہے۔ پھر اس کی کونپل نکلتی ہے۔ پھر مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار ہوا کے پرندے آکر اس پر بسیرا کرتے ہیں۔ اب یہ سب کام اندرونی اور روحانی ہے۔ اس کو کسی کی تباہی اور بربادی سے کچھ سروکار نہیں۔

بعض اوقات ہم آسمان کی بادشاہت کو کسی زمانے کے اندر محدود کر دیتے ہیں۔ اگر ہم ذرا بھی خیال کو بڑھائیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ خدا کے سامنے زمانہ کچھ چیز نہیں۔ اس کے لئے نہ ماضی ہے نہ مستقبل بلکہ سب حال ہی حال ہے۔ لہٰذا

اس کی بادشاہت جب کہ وُہ تعلیم دے رہا ہے۔ دنیا میں موجود ہے۔ کیونکہ اُس نے خود بدروحوں کو نکالتے وقت فرمایا۔ کہ آسمان کی بادشاہت بالکل نزدیک آگئی ہے۔ اور جہاں بھلائی اور نیکی کے کام اور خدا کی مرضی کا استعمال ہوتا ہے وہاں وُہ موجود ہے۔ اور حکومت کر رہا ہے۔ وہاں پر اس کی کاملیت نہیں۔ بلکہ اس کی کاملیت آئیندہ زمانے میں ہونے والی ہے۔ جبکہ وُہ بذاتِ خود آئیگا اور حکومت کریگا۔

یہ بادشاہت ایک کوشش اور جدوجہد ہے۔

آسمان کی بادشاہت ایک عمل بھی ہے۔ اور ایک تحفہ بھی۔ کیونکہ کلام اس کو چھپے ہوئے خزانہ سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس کو تلاش کرنا ہر ایک شخص کا فرض اوّلیں ہے۔ اور اسی طرح یہ ایک بیش قیمت موتی کی طرح بھی ہے۔ جیسے ایک سوداگر نے پایا اور جا کر اپنا سب کچھ فروخت کر دیا کہ اسے خرید لے۔ دیکھو متی ۱۳: ۴۴-۴۸ وغیرہ۔

خداوند فرماتا ہے۔ کہ تم پہلے خدا کی بادشاہت اور اُس کی راستبازی کی تلاش کرو۔ تو دنیا کی تمام چیزیں جن کے لئے انسان اپنی زندگی تک قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے مفت مل جائینگی۔ دیکھو متی ۶: ۳۳۔

دوم:۔ خدا اور انسان کے درمیان تعلق۔

سب سے بہترین خیال جو مسیح اور اس کی خوشخبری میں پایا جاتا ہے۔ وُہ ہے انسان کا خدا کے ساتھ رشتہ۔ جا اور کسی

بخت و مذہب میں نہیں ملتا۔ انسان خدا کو ایک سخت دل حاکم یا ایک خالق تصور کرتا ہے۔ جس کو دنیا سے کچھ سروکار نہیں۔ وُہ صرف عدالت کے دن آئیگا۔ اور آکر جن کو جزا دینی ہو گی جزا دیگا۔ اور جن کو سزا دینی ہو گی سزا دیگا۔ بعینہٖ یہودی قوم کا بھی اس کے متعلق یہی خیال تھا۔ مگر مسیح خداوند نے ہمیشہ خدا کو ایک پُر محبت اور پُر فضل باپ کی طرح نوعِ انسان کے رُو برُو پیش کیا۔ نیز یہ ظاہر بھی ہے۔ کہ وُہ دنیا کو باپ کی طرح پیار کرتا ہے۔

فرض کریں۔ کہ یہ دنیا ایک گھر ہے۔ جس میں ایک باپ ہے۔ جس کی ہم اولاد ہیں۔ کیا خود مختار اور سخت منصف اور بے پرواہ حاکم باپ کی اس گھر میں کچھ قدر ہو گی۔ خداوند مسیح نے اسی لئے فرمایا ہے۔ کہ خدا محبت ہے۔ اور وُہ نہ صرف بنی نوع انسان کی خبر گیری کرتا ہے۔ بلکہ ہوا کے پرندوں۔ چرندوں۔ پھولوں اور پھلوں غرضیکہ ہر ایک چیز جو دنیا میں موجود ہے اس کی نگرانی وُہ کرتا ہے وُہ مہربان اور رحیم ہے۔ حالانکہ اس کے بچے گناہ کرتے رہتے ہیں تو بھی وُہ اپنے سورج اور بارش کو نیکوں اور بدوں دونوں پر برساتا ہے۔ اور اپنے خطا کار بچوں کی جستجو میں رہتا ہے۔ تاکہ ان کو بچائے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ تمام بنی نوع انسان کا سلوک خدا کے ساتھ اولاد کا سا نہیں ہے۔ مگر اس کی پدریت میں فرق نہیں آتا۔

لازم تو یہ ہے۔ کہ جس طرح باپ کی محبت میں فرق یا

کمی واقع نہیں ہوتی ۔ اسی طرح اولاد بھی اپنے فرض کی ادائیگی دل و جان سے کرے ۔ اولاد کو اپنے والد کی طرح ہونا ضروری ہے ۔ یعنی وہ مضبوط ایمان ۔ دنیوی افکار سے بالا ۔ رنج و غم سے بری اور پاک ہو ۔ کیونکہ حقیقی مذہب وہی ہے ۔ جو کہ ہمارا تعلق خدا کے ساتھ مضبوط کرتا ہے ۔ اور بنی نوع انسان کو محبت اور یکسانیت کے انتہائی زینے تک پہنچا دیتا ہے ۔ اور اسی سے صلح ۔ محبت اور سلامتی کی حکومت کا اظہار ہوتا ہے ۔

محبت کی شریعت کامل ترین اخلاقی شریعت ہے ۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی نبی یا مصلح نے اپنے مقلدوں سے اس قدر طلب نہیں کیا جیسے کہ مسیح خداوند نے ۔ اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ وہ ہم کو کاملیت کی طرف بلاتا ہے ۔ وہ ہم کو محض برائی کرنے ہی سے نہیں بلکہ برائی کے متعلق سوچنے سے بھی روکتا ہے ۔ متی ۵: ۴۸ اسی لئے لازم ہے کہ ہم معمولی اخلاقیات اور شریعت سے چند قدم آگے بڑھیں ۔ اگر وہ فرماتی ہے کہ چوری نہ کر ۔ لالچ نہ کر ۔ خون نہ کر ۔ تو خداوند یہ فرماتے ہیں ۔ کہ تم اپنے دشمنوں کے لئے دعا مانگو اور ان سے محبت بھی کرو ۔ کیونکہ محبت ہی شریعت کی تکمیل ہے چنانچہ اگر ہمارا طریقہ یا زندگی کا مسلک یہی ہوگا کہ ہم سب سے یکساں محبت رکھیں تو ہم کو شریعت کی چنداں ضرورت لاحق ہی نہ ہوگی ۔ کیونکہ ہم شریعت سے ایک کوس آگے بڑھ گئے ۔ انسانی تجربہ گواہ ہے ۔ کہ محبت کی شریعت ایک ایسی طاقت ہے جو کہ اس کو پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی طاقت بخشتی ہے ۔ وجہ یہ

ہے۔ کہ سچی اور حقیقی محبت ہم کو خدا سے ملانے رکھتی ہے۔ اور جو اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں ان سے نہ تو قصداً اور نہ ہی خیالاً اور نہ ہی سہواً گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

سوم :- مسیح کی شخصیت :-

کلیسیاء عالمگیر کا یہ ہمیشہ سے ایمان رہا ہے۔ کہ خداوند مسیح کامل انسان اور کامل خدا ہیں۔

(ا) **مسیح کی انسانیت :-** مسیح نے انسانی زندگی کامل انسان ہوتے ہوئے اس دنیا میں گزاری۔ وہ ایک بچہ کی صورت میں پیدا ہوئے۔ اور حکمت اور قد و قامت اور خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتے گئے۔ لوقا ۲: ۵۲۔

مسیح کی بشریت کے متعلق ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ وہ ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا۔ جو بڑھئی کا پیشہ کرتا اور اپنا گزارہ کرتا تھا۔ اس نے تعلیم حاصل کی۔ لوگوں کے ہمراہ عبادتوں میں شامل ہوا۔ اس کا ختنہ ہوا۔ وہ شریعت کو پورا کرتا رہا۔ وہ بھی کھاتا تھا۔ ماندہ ہوتا تھا۔ رنج اور خوشی میں شرکت کرتا تھا۔ وہ غمگین بھی ہوا۔ اور رویا۔ اس نے بھی محصول لینے والوں اور گناہگاروں کے ہمراہ دعوت کھائی۔ وہ آزمایا گیا مگر وہ اس میں نہ گرا۔ وہ مر گیا اور دفن ہوا۔ (مگر تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا)

اس سے واضح ہے۔ کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح اپنے میں ضرورتیں اور حاجتیں رکھتا تھا۔ اور اسی ہی ماحول و فضا میں زندگی گزارتا تھا۔

(ج) مسیح کی الوہیت :۔ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ لہٰذا کامل انسان خدا کی صورت ہے۔ چونکہ خداوند مسیح کامل تھے۔ وہ خدائے باری کی مکمل صورت اور اس کا نقش تھے۔ پولوس بیان کرتا ہے۔ کہ خدا مسیح میں تھا۔ اب ہم ان ثبوتوں پر غور کرینگے۔ جو کہ کلام ہم پر ظاہر کرتا ہے۔

i۔ اس کی بے گناہی :۔ وہ نیکی اور بھلائی کا مجموعہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کو گناہ کا کبھی احساس بھی نہ ہوا تھا۔ وہ آزمایا گیا۔ مگر فاتح رہا۔ ہر ایک نبی اور پیغمبر نے اپنے اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کیا۔ مگر مسیح نے کبھی بھی نہیں کیا۔ وہ پاک۔ گناہ سے مبرا اور راستباز تھا۔ اس کے دشمن نے فرمایا۔ میں اس میں کوئی گناہ نہیں پاتا۔ وہ خود فرماتا ہے۔ تم میں سے کون مجھ پر گناہ ثابت کر سکتا ہے۔

ii۔ اس کی محبت :۔ تواریخِ دنیا اُس کی محبت اور ایثار کی جو اُس نے بنی نوع انسان کے لئے دکھائی گواہ ہے۔ اُس نے دنیا کے دھتکارے ہوئے اور راندے ہوئے شخص کی قدر کی اس کو برباد نہیں بلکہ آزاد کیا۔ اس کو تباہ نہیں کیا بلکہ بچا لیا۔ اور مثل دیگر انبیاء کے نہیں کہ ان کو مارے اور نکلوائے بلکہ ان کو صلیب پر جان دے کر مفت نجات کے وارث بنایا ہے۔ یہ ہے محبت۔

اُس کی اِس عالمگیر محبت میں معافی بھی پوشیدہ ہے۔ اس نے گناہگاروں کو معاف کر دیا۔ اور یہاں تک کہ اُس نے اپنے

دشمنوں کو نہ صرف خود ہی معاف کیا بلکہ خدا کے رُوبرُو بھی اِلتجا کی کہ وہ معاف کئے جائیں۔ "اے باپ انہیں معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں"۔ اس نے بنی نوع اِنسان کے سامنے خدا کو ایک معاف کرنے اور مخلوق سے محبّت رکھنے والے شخص کی صورت میں پیش کیا۔ اور اِسی لئے تائب کے لئے اس کی زندگی ایک رحمت خداوندی تھی۔ لہٰذا اس نے اس میں نہ صرف اپنا چھٹکارا ہی دیکھا بلکہ ایک نیا تجربہ حاصِل کیا۔ جس کی دنیا آج تک گواہ ہے۔

iii۔ اُس کی انکساری :۔ اس کی زندگی کا یہ پہلو سب دنیا کے انبیاء سے افضل تھا۔ اس نے اس ذمّہ داری کے عِلاوہ جو اُس کو آسمانی باپ کی طرف سے دی گئی تھی کسی اور چیز کی طرف رجُوع نہ کیا۔ اور اِسی وجہ سے اس نے تخت و تاج۔ عزّت۔ مرتبہ۔ مال و دولت کی پرواہ نہ کرکے ایک خادم کی زندگی اختیار کی۔ اور خادم بھی بنا تو گنہگاروں کا۔ ایسی انکساری کی بھی مثال تواریخ میں نہ تھی۔ اس نے اپنے شاگردوں کے پاؤں دھوئے۔ بدیں وجہ ہم اِس نتیجہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ یہ سب اوصاف انسانی نہیں بلکہ الٰہی اور رُوحانی ہیں۔

iv۔ تعلیم :۔ اس کی تعلیم جو اناجیل اربعہ میں مندرج ہے۔ الٰہی تعلیم ہے۔ اس کے عِلاوہ اس کے معجزے جو اس نے رفاہ عام کے لئے کئے اپنے ساتھ الوہیت کا عنصر لئے ہوئے تھے۔ وہ تمام اعجاز عام رستوں، مجمعوں اور عبادت خانوں کے اندر یا سامنے کئے جاتے

تھے۔ تاکہ بے اعتقاد لوگ خدا کے عجیب کاموں کو دیکھکر رجوع لائیں۔ توبہ کریں اور نجات حاصل کریں۔ وہ انسان کامل اور کامل خدا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی زندگی سے جس بات یا فعل کا صدور ہوا وہ دنیا کے لئے حیرت اور تعجب کا مقام ہوا۔ اور لوگ پکار اٹھے۔ کیا یہ یوسف بڑھئی کا فرزند نہیں؟۔

تا۔ موت:۔ اُن کی اختیاری موت جس کا وہ مرنے سے پہلے دعویٰ کرتے تھے۔ اور ان کے جی اٹھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی زندگی کے پیچھے ایک بڑا بھید ہے۔ اور ایک ایسا مقصد ہے جس کو عقلِ انسانی نے ابھی تک نہیں پایا۔ اور اگر پا لیتے۔ تو نجات کی اس مفت بخشش سے محروم نہ رہتے۔

ژا۔ مسیح کی اپنے متعلق گواہی:۔

نیز اس کی زندگی کا اثر جو اُس نے اس دنیا میں رہ کر اور آسمان پر چلے جانے کے وقت تک ظاہر کیا۔ وہ اُس کی الوہیت کا کافی ثبوت ہے۔ پطرس نے اس کو مسیح زندہ خدا کا فرزند قرار دیا۔ اور دوسرے شاگردوں نے اقرار اور اعتراف کیا۔ اور نہ صرف اقرار ہی کیا بلکہ اس کو پورا کرنے کے لئے اپنی زندگیاں تک قربان کر دیں۔

اس ناچیز انسان نے جس کے پاس سر دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ اس نے اپنے متعلق خود فرمایا۔ کہ وہ کس قدر صاحبِ اختیار ہے۔ کیونکہ کلام میں سات مرتبہ وہ فرماتا ہے۔ "میں زندگی کی روٹی ہوں"۔ "دنیا کا نور ہوں"۔ دروازہ ہوں۔ اچھا گڈریا ہوں۔

قیامت اور زندگی میں ہوں ۔ راہ اور حق اور زندگی ہوں میں حقیقی انگور
کا درخت ہوں اور تم ڈالیاں ہو ۔ اور اس نے یہ بھی فرمایا ہے ۔ کہ
کوئی بیٹے کو نہیں جانتا ۔ سوائے باپ کے اور کوئی باپ کو نہیں جانتا
سوائے بیٹے کے ۔ یا جس پر بیٹا اسے ظاہر کرے ۔ متی ۱۱: ۲۷ ۔
میں اور باپ ایک ہیں یوحنا ۱۰: ۳۰ ۔ ابراہام سے پہلے میں
تھا ۔ یوحنا ۸: ۵۸ ۔ یہاں وہ ہے جو سلیمان سے بھی بڑا ہے ۔
تم میں سے کون مجھ پر گناہ ثابت کر سکتا ہے یوحنا ۸: ۴۶ ۔ اے
تم جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہو سب میرے پاس آؤ ۔ میں
تم کو آرام دوں گا ۔ یوحنا ۱۴ ۱۱ ۹ ۔ میں آیا ہوں تاکہ وہ زندگی
پائیں اور کثرت سے پائیں ۔ یوحنا ۱۰: ۱۰ آیت ۔

iiiV ۔ وہ خدا کی قدرت سے پیدا ہوا ۔ یعنی وہ روح القدس کی قدرت
سے گربھ میں پڑا اور کنواری مریم کے بطن پاکیزہ سے پیدا ہوا ۔

iiiV ۔ اور سب سے آخری اور بڑی دلیل یہ ہے ۔ کہ یہ سب
خوبیاں اور اوصاف ایک ہی انسان میں پائے گئے ۔ اور وہ خداوند
مسیح تھے ۔ ہر ایک خوبی اور وصف اس کی ذات سے علیحدہ نہیں
ہے ۔ بلکہ ملا جلا ہوا ہے ۔ یا ذاتی اور فطری ہے ۔ کیونکہ وہ بھلائی ۔
پاکیزگی ۔ نیکی ۔ فروتنی کا خود ہی مجسم تھا ۔ اور یہ تمام خواص اس
کے حاصل کئے ہوئے نہ تھے اور نہ ہی ان کے چلے جانے کا اندیشہ
تھا ۔ اور اسی وجہ سے پطرس نے اقرار کیا تھا کہ تو زندہ خدا کا
بیٹا مسیح ہے ۔

مندرجہ بالا دلائل سے ہم اسی نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ مجسم

خدا تھا۔ زمین پر آسمانی باپ کا مکاشفہ اور مظہر تھا۔ وہ راہ اور حق اور زندگی تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمارا منجی اور مخلصی دینے والا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے ہم کو مخلصی یعنی گناہوں کی معافی حاصل ہو سکتی ہے نہ کہ کاموں سے اور نیکیوں سے۔ کیونکہ یہ سب خدا کے حضور گندی دھجیوں کی طرح ہیں۔ اسی لئے ابدی زندگی۔ کامیابی اور خوشی ہم مسیح ہی سے پا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہی واحد ذریعہ ہے۔ "آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کوئی دوسرا نام بخشا نہیں گیا۔ جس کے وسیلے سے نجات مل سکے"۔ لہٰذا اب لازمی ہے کہ ہم جو کہ اس رسالے کے اس باب کے اختتام تک پہنچ گئے ہیں اس کو اپنا ہادی۔ منجی اور رہنما قرار دیں +

پانچواں باب

نجات کی تعلیم

اوّل :- نجات کی ضرورت :- جب ہم نے گناہ کے متعلق بیان کیا۔ تو ہم نے بتایا کہ کلام فرماتا ہے۔ کہ سب نے گناہ کیا اور خدا کے فضل سے محروم رہے۔ گناہ ناکامی۔ افسوس۔ دُکھ وغیرہ عالمگیر ہیں۔ ان وجوہات کے زیرِ اثر ہر ایک ذی عقل چاہتا ہے۔ کہ اس کی موجودہ زندگی ان جھمیلوں سے آزاد رہے اور آئندہ زندگی بہتر ہونے کی آرزو ہو جائے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ بہت ہی افسوس کی بات۔ کیونکہ ہم درست طریقوں کو استعمال بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم کو اس بات کا علم بھی ہے کہ گناہ خدا سے ہم کو جُدا کر دیتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں ناموافقت ہے۔ جسم۔ جان اور رُوح کی دِن بدن تباہی ہوتی جا رہی ہے۔ تس پر بھی ہم نجات بخش طریقوں کے جویاں نہیں ہوتے۔ جن کی ہم کو اشد ضرورت ہے۔ ہم سب کو اس کا علم ہے۔ کہ موجودہ دنیا کا دو تہائی حصہ خداوند مسیح کے نام سے بالکل ناواقف ہے۔

نجات کا مطلب :- نجات حاصل کرنے کا مطلب گناہ سے آزادی ہے۔ یا خدا اور اس کی راستبازی کے لئے علیحدہ کیا جانا ہے۔ کیونکہ یہ لازمی امر ہے۔ کہ جب ایک غلام واپس خرید

لیا جاتا ہے۔ تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ مگر جس کے ذریعہ سے وہ آزادی
حاصل کرتا ہے۔ اس کے لئے اسے اپنے آپ کو دے دینا پڑتا ہے
یا یوں کہیں کہ گناہ سے اس کا انحراف ہونا لازمی ہے۔ اور خدا
سے الحاق۔ کیونکہ اگر وہ خدا سے اپنا رشتہ قائم نہیں کرتا۔ تو یہ
اندیشہ رہتا ہے کہ شیطان پھر کہیں اس کو گناہ کی غلامی میں نہ
لے آئے۔ اس لئے کہ گھر خالی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں مسیح کی
سلطنت قائم ہو جائے۔ انسان جب مخلصی حاصل کر لیتا ہے تو
وہ خدا سے ہر بات میں اتفاق کرتا ہے۔ اور اس کا بندہ بن جاتا ہے
اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ مخلصی پاکر انسان خدا کا بیٹا کہلانے لگتا
ہے۔ اور خدا کی بادشاہت کا وارث ہو کر پوری آزادی حاصل
کر لیتا ہے۔

خدا کا حصہ:۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ ہم کس طرح بچ سکتے
ہیں۔ آدمی بذات خود تو بچ ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہی آسمان کی
بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ خود تائب نہ
ہو۔ اور خدا سے التجا نہ کرے۔ یہودیوں کا یہ خیال تھا۔ کہ شریعت
پر عمل کرنے سے آدمی بہشت کا وارث ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھا
گیا کہ کوئی انسان اپنے اعمال سے راستباز ٹھہر ہی نہیں سکتا۔
اس لئے فضل ہی ایک واحد ذریعہ ہے جس سے مخلصی ملتی ہے۔
پولوس رسول اس پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ دیکھو افسی۔
۲: ۸۔ ۹۔ "کیونکہ تم کو ایمان کے وسیلے سے فضل ہی سے نجات
ملی ہے۔ اور یہ تمہاری طرف سے نہیں۔ خدا کی بخشش ہے اور

نہ اعمال کے سبب سے ہے۔ تاکہ کوئی فخر نہ کرے"۔

خدا نے جہان سے ایسی اُلفت کی۔ کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ جو تمام جہان کا مخلصی دینے والا ٹھیرا۔ اور اس نے انسان کو اس کی گناہ آلودہ حالت ہی میں پیار کیا۔ اور اس کے گناہ سے بچنے اور آزاد ہو جانے کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

خدا کی محبت کی سچی تصویر لوقا کی انجیل کے ۱۵ باب میں بیان کی گئی ہے۔ جس میں ایک کھوئی ہوئی بھیڑ کا ذکر ہے۔ جس کو وہ کندھے پہ اٹھا کر دشوار گذار راستوں سے ہوتا ہوا لاتا ہے۔ تاکہ وہ بچ جائے۔ اسی طرح سے ایک عورت کھوئے ہوئے درہم کو ڈھونڈتی ہے اور جب وہ اسے پاتی ہے تو اپنے دوستوں کو بلا کر خوشی کرتی ہے۔ مسرف بیٹے کے والد کی محبت بھی قابل ذکر ہے۔ اب ان تین تمثیلوں سے خدا نے اپنی محبت کو جو گنا ہگار کے لئے رکھتا ہے ظاہر کیا ہے۔ جس طرح یہ لوگ خوشی کرتے اسی طرح سے خدا بھی توبہ کرنے اور رجوع لانے والے کے لئے اپنے فرشتوں کے ساتھ خوشی کرتا ہے۔

ہم ذرا مسرف بیٹے کی زندگی کے دوسرے پہلو پر غور کریں۔ وہ آخر کار توبہ کرتا اور پچھتاتا ہے۔ تو فوراً بخش دیا جاتا ہے۔ باپ اس کو بیٹے کی حیثیت سے اپنے گھر میں جگہ دیتا ہے۔ اس کو غلام یا نوکر کی صورت میں نہیں رکھتا۔ اسے قیمتی پوشاک۔ جوتا اور انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔ اور ہر طرح کی خوشی کی جاتی ہے۔ اب یہ سب حقوق اور مراتب کیا اس مسرف بیٹے کا حق تھا کہ لے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ سب

اس لئے ہوا کہ وہ تائب ہو کر باپ کے پاس آگیا۔ اور باپ کی محبت نے اسے آغوش میں لے لیا۔

بعینہٖ نجات بھی ہمارا حق نہیں ہے۔ اور اگر وہ حاصل ہو سکتی ہے۔ تو اس کا محض ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم محض توبہ کر کے اس کے حضور جو فضل اور کرم سے معمور باپ ہے حاضر ہوں۔ تو وہ ہم کو یہ سب مفت دیگا۔ نیز خدا نہ محض محبت کرنے والا ہی ہے بلکہ وہ راستباز بھی ہے۔ اس لئے گنا ہگار سے تو وہ الفت کرتا ہے مگر گناہ سے نفرت۔ اور اس کی پاکیزگی اور قدسیت گنا ہگار کو گناہ میں پڑے ہوئے دیکھکر گوارہ ہی نہیں کر سکتی۔ اس لئے وہ اپنا ہاتھ بڑھائے منتظر رہتا ہے۔ کہ وہ توبہ کر کے اس کے پاس آئے اور بچ جائے۔ ہم کو لازم ہے کہ ہم اس امر کو نہ بھولیں۔ کہ خدا اپنے فضل کو کسی پر مجبوری طور پر نہیں ڈالتا۔ مگر اس کی بخشش ان پر ہے جو اسے خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ انسان روز اوّل سے فعل مختار ہے۔ اسے نیکی اور بدی کو اختیار کرنے کا کلّی حق حاصل ہے۔ لہٰذا اس کا بھی نجات کی تجویز میں اہم حصہ ہے۔ کیونکہ خدا کی پاکیزگی کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ گنا ہگار توبہ کرے۔ پھر اس کی محبت اس کو بخشنے میں بہت ہی فیاضی سے کام لیتی ہے۔ اور پھر کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کرتی جیسے کہ ہم نے مسرف بیٹے کے معاملے میں دیکھا ہے۔ کہ وہ فوراً بخش دیا گیا۔ اور اسی طرح ہمارا آسمانی باپ بھی ہم کو بخش دیتا ہے۔

نجات میں انسان کا حصّہ:۔ انسان کا حصّہ نجات میں ایمان ہے۔ "جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"۔ یوحنّا ۳: ۱۶۔ اسی طرح سے پولوس کی تعلیم یہ ہے۔ کہ آدمی ایمان کے وسیلے سے نجات پا سکتا ہے نہ کہ شریعت پر عمل کر کے۔ کیونکہ شریعت اس لئے نہیں آئی۔ کہ گناہگاروں کو بچائے بلکہ اس لئے آئی ہے۔ کہ گنہگار کو گناہ سے آگاہ کرے۔ پولوس شریعت کے لئے ایک لفظ استعارۃً استعمال کرتا ہے۔ اور وہ ہے "پیڈاگوگوس" یعنی شریعت ایک ملازم کی مانند ہے۔ جو بچوں کو گھروں سے بلا کر مکتب تک لے جاتا ہے۔ ان کو تعلیم نہیں دیتا۔ اب کلام کی نجات پانے کے لئے مندرجہ ذیل پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ایمان مسیح یسوع پر۔ روح القدس پر۔ خدا کی بادشاہت پر۔ خدا کی مرضی پر۔ خدا کے کلام پر اور اس کی صداقت پر۔ کیونکہ اس کا فضل ان پر ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

نیز ہم نے خداوند مسیح کے ایمان کے متعلق خود بھی بہت زور کے ساتھ تعلیم دی۔ اور اس کے بعد اس کے شاگردوں اور اس سے قبل کے انبیاء نے بھی ایمان ہی اپنے درسوں کا موضوع رکھا۔ نجات کی سب سے بڑی شرط یہ ہے۔ کہ (مرقس ۱۶:۱۶) "اور جو ایمان لائے نجات پائیگا"۔

مگر ایمان کا مطلب اس سے کہیں افضل ہے۔ جتنا کہ ہمارا خیال ہے۔ مثلاً ایمان رکھنے میں مندرجہ ذیل عنصر ضروری ہیں۔ مسیح پر یقین لانا۔ خدا پر توکّل رکھنا۔ اور اس کے کلام و احکام کو سچّے دل

طرح قبول کرنا۔

ایک گناہگار کے تائب ہو کر ایماندار کہلانے سے قبل مندرجہ ذیل باتیں لازمی ہیں۔

اول۔ توبہ:۔ جب خداوند اس زمین پر تھے تو اکثر بڑی بڑی بھیڑوں سے ہم کلام ہُوا کرتے تھے۔ اور اُن کو ہمیشہ توبہ کی طرف راغب کیا کرتے تھے۔ دیکھو مرقس ۱: ۱۵ آیت۔ "اور کہا کہ وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہت نزدیک آ گئی ہے۔ پس توبہ کرو اور انجیل کو مانو"۔

لفظ توبہ کے معنی ہیں۔ اپنے خیالات کو بدلنا۔ یا پچھتانا۔ یا واپس لوٹنا۔ گناہگار ہمیشہ اپنے خیالات کو اپنے بھروسے اور دلچسپیوں کو دنیا کی طرف لگائے رہتا ہے۔ اور انجیل کی باتوں کو ٹالتا اور ان کی مخالفت پر آمادہ رہتا ہے۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے ان خیالات کو ترک کر کے واپس لوٹے۔ توبہ کرے اور پھر ایسی غفلت سے باز آئے۔ اور آسمان کی بادشاہت کی طرف رجوع کرے۔

توبہ کا مطلب یہ بھی ہے۔ یعنی گناہ سے نفرت کرنا۔ گناہ کو ترک کرنا۔ گناہ کو نکال دینا۔ گناہ سے پیٹھ موڑ لینا۔ اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے خدا اور اس کی راستبازی، محبت اور سچائی کی طرف متوجہ ہونا۔ اور اسی کے ہو کر رہ جانا۔

اب یہ بھی سوال لازم آتا ہے۔ کہ گناہگار کس طرح توبہ

کرے۔ کیا توبہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں بہت ضروری ہے۔ کیونکہ خدا کبھی بھی اس انسان کو معاف نہیں کرتا۔ جو گناہ سے محبت رکھتا ہے۔ اور اسی کی گرفت میں رہتا ہے۔ خدا کو گناہ سے اس لئے نفرت ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک ذی جان کو جسے خدا پیار کرتا ہے اور جس کی بہتری اور بہبودی کے وہ درپے رہتا ہے۔ اسے وہ اپنے چنگل میں لے کر برباد اور تباہ کر دیتا ہے۔ اور اگر خدا اس گنہگار کو جس نے توبہ نہیں کی بخش بھی دیتا ہے۔ تو خدا خود اس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو سراسر ناممکن بلکہ محال ہے۔

نئی زندگی یا تبدیلی: یہ تبدیلی نئی زندگی حقیقتاً جسم، جان اور عقل اور انسانی ارادے اور احساس کا عمل ہے۔ جو کہ گناہ سے انحراف اور راستبازی کی طرف راغب کرتا ہے۔ اس میں توبہ ایمان اور فرمانبرداری کا عنصر بھی موجود ہے۔ کیونکہ لفظ تبدیلی کے معنے ہیں بدلنا۔ دماغ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور انسان گناہ سے متنفر ہو جاتا ہے۔ نیکی اور بھلائی اور خوبصورتی کو پسند کرنے کی طرف رغبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اسی طرح سے احساس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور وہ پرانے خیالات سے نفرت اور خدا کی حضوری کو اس نئے ماحول کے زیر اثر زیادہ پسند کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اسی طرح سے ارادے اور زندگی کے دیگر مشاغل میں بھی تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے۔

اصلی تبدیلی وہ ہے۔ کہ مسیح کی رویا دکھائی دے۔ مسیح

سے الفت ہو۔ مسیح کو منتخب کیا جائے۔ اور اسے اپنی زندگی کا
مالک اور مختار بنایا جائے، اور یہی عمل انسانی زندگی میں سے
پرانی انسانیت کو نکال دیگا اور اس کی جگہ نئی زندگی کو اور
خداوند کی سلطنت کو قائم کر دیگا۔ اب تبدیلی سے مُراد جو ہم نے
معلوم کی ہے یہ ہے۔ کہ مکمل طور پر رُوح، عقل اور جان کا گناہ
کے بدن سے آزادی پانا اور راستبازی کا جامہ پہن لینا۔

اب ہم مختلف اقسام کی تبدیلیوں پر غور کرینگے

(ا) وُہ بچے جنہوں نے مسیحی خاندانوں میں تربیت حاصل کی ہے۔
اور جن کو ہمیشہ عبادتوں اور سبت سکولوں میں شامل ہونے اور
حصہ لینے کا موقع رہا ہے۔ اور کوئی ایسا دن ان کی زندگی میں
نہیں گزرا جب کہ انہوں نے خدا سے اپنے پیار کی کمی کو ظاہر کیا
ہو۔ مگر ان کی زندگی میں فوری تبدیلی نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے۔
کہ وُہ مسیح کو اپنا شخصی نجات دہندہ قبول کر لینے کے درجے تک
نہیں پہنچ جاتے۔ لازم ہے کہ وُہ اس کو جماعت سے علیحدہ
کر کے اپنے لئے چن لیں اور کلیسیاء اور خدا کی بادشاہت کی
اشاعت کی طرف زیادہ متوجہ ہوں

(ب) وُہ لوگ جن کو گناہ نے مکمل طور پر اپنا غلام بنا لیا ہو۔ اور
بدکاری اور بداخلاقی نے ان کو انتہائی منزل پر پہنچا دیا ہو۔ اور
جب انجیل کی بخشنے والی ہمت افزا معافی کا مسئلہ اور خداوند
مسیح کی محبت کا چرچا ان کے رُوبرُو پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان
کو زندگی اور اس کی مایوسی سے علیحدہ کر کے ان کی ہمت افزائی

کرتا ہے۔ زندگی کی محبت پیش کرتا ہے۔ اور گناہ کی غلامی سے آزادی کی طرف اور موت سے نجات کی طرف راغب کرتا ہے۔ تو ان میں ایک جنگ برپا ہوتی ہے۔ اب یہ ایک بہت ہی عظیم تبدیلی ہے۔ اور چونکہ جہاں تبدیلی ہوگی وہاں جنگ کا ہونا لازمی امر ہے مگر ایسے جنگ اور مقابلے بچوں اور معصوموں کی زندگی میں واقع نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی مختلف مزاجوں کے خدا پرست اور خدا ترس لوگوں میں۔ مگر جن میں ایسے جنگ ہوں یا ہونے کے امکان ہوں وُہ نجات کا خود اور رُوح کی تلوار سے ان کا مقابلہ کرکے مسیح کے سپہ سالار کی امداد سے جو ہمیشہ اپنے پاک رُوح کے وسیلے سے مستعد رہتا ہے فتح حاصل کرے اور نئی زندگی میں داخل ہوکر خُدا کی حضوری میں نیا مخلوق کہلائے۔

(ج) عقلی اور ذہنی تبدیلیاں:۔ ہماری اس دنیا میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو بہت ہی سست اور سرد اور بلغمی مزاج کے واقع ہُوئے ہیں۔ ان کے لئے ایسی تبدیلیاں جذبات کے اشتعال سے نہیں بلکہ عقلی جنگ سے رُونما ہوتی ہیں۔ ان کی حالت مندرجہ بالا تبدیلیوں سے متفرق ہوتی ہے۔ مگر یہ لازمی ہے کہ ہر ایک حالت میں تبدیلی ہو۔ یہ تبدیلیاں یکساں بھی ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد اور مدعا ایک ہی ہے۔ اور وُہ یہ ہے۔ کہ مسیح اور اس کی کلیسیا کی مکمل فرمانبرداری کی جائے۔ کیونکہ اسی سے محبت اور ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔

(۲) اقرار:۔ دوسری ضروری بات اقرار ہے۔ جس کا کرنا خدا کے

حضور میں لازمی امر ہے۔ اور اسی طرح سے اگر ہم نے کسی دوسرے کا گناہ کیا ہے تو اس کی بھی معافی مانگیں۔ اور اپنے معاملے کو جو ہم دونوں میں ہے سورج کے غروب ہونے سے قبل راست اور درست کرلیں۔ چور کو ضروری ہے۔ کہ مال مسروقہ واپس کرے۔ بدنامی کرنے والا اس حرکت سے باز آکر اسی نام کو عزت دے۔ دُکھ دینے والا دُکھ کا خمیازہ اٹھائے۔ کیونکہ اگر ہم ایک دوسرے کے گناہ یا قصور معاف ہی نہیں کرتے۔ تو کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ ہمارا آسمانی باپ ہمارے قصوروں کو معاف کر دیگا۔

اقرار کے معنے ہیں اپنے قصور کو ماننا اور معافی کے خواہاں ہونا۔ اور اگر ممکن ہو تو اس سزا کو جو ہم پر واجب ہو برداشت کرنا۔ اور آئندہ کے لئے وعدہ کرنا۔ کہ پھر گناہ اور اس کی ناپاکی کی طرف قدم نہ بڑھائیں گے۔ بلکہ اس سے دلی نفرت کرینگے۔ اب یہ بھی ضروری ہے کہ گناہ کا اقرار خدا کے حضور اور اس کے سامنے بھی جس کا ہم نے قصور کیا ہے یا حق تلفی کی ہے کیا جائے تاکہ انسان اور خدا کے سامنے ہماری سرخروئی ہو۔

ایمان اور توبہ کے بعد بپتسمہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ زندگی کی تبدیلی کا ایک ظاہری نشان ہے۔ جو کہ توبہ اور تبدیلی کے بعد نشوونما ہوا کرتا ہے۔ وہ پانی سے دیا جاتا ہے جو پاک اور صاف کرنے کا نشان ہے۔ تاکہ اس پاکیزگی کے ذریعہ سے ہم خدا کی پاکیزگی سے اپنا رشتہ پیدا کریں۔ اور اسی تقدس پر ایمان یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ ہم اس کے تابعدار اور فرمانبردار ہیں - - - - - - - - - -

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اسی نے
بپتسمہ باپ۔ بیٹے اور رُوح القدس کے ساتھ ہماری یگانگت
پیدا کرتا ہے۔

بپتسمہ سے مراد پرانی انسانیت کا دفن اور نئی زندگی میں
جی اٹھنا ہے۔ اسی لئے ایمان۔ توبہ اور بپتسمہ ایک ہی عمل کے تین
پہلو ہیں۔ جس کو اکثر نئی پیدائش کا نام دیا جاتا ہے۔ ہم اس دنیا
میں پیدا ہو کر بچوں کی طرح اپنی زندگی کی ابتدا کرتے ہیں۔ اور
جب ہم اپنی زندگی میں ترقی کی منزل پر آ جاتے ہیں۔ تو ہم اپنی
ہی مرضی سے روحانی زندگی اور خدا کی فرزندیت کو منتخب کرتے
ہیں۔ اور اسی طرح سے روحانی زندگی کی بھی نئی پیدائش
ہوتی ہے۔ اور وہ نہ ہی زندہ رہ سکتی ہے۔ اور نہ ہی ترقی کر
سکتی ہے جب تک کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ایمان اور توبہ اس کے بعد نہ ہو۔
اور اس کے بعد روحانیت میں دن بدن ترقی نہ ہو۔

کلیسیاء میں جو کہ مسیح کا بدن ہے شمولیت :۔ مسیح
میں بپتسمہ پانے سے یہ مراد ہے۔ کہ انسان مسیح کے ازلی بدن
کا ایک عضو بن گیا۔ جسے کلیسیاء کہتے ہیں۔ اور قبل اس کے کہ
ہم اس کے بدن کے ساتھ پیوستہ ہو جائیں ہم اس کو منجی اور
مالک کہنے کے حق دار ہی نہیں۔ کیونکہ اپنے آپ میں کوئی مسیحی
کہلا ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ وہ پورے طریقے سے مسیح کو
قبول کر کے اس کے بدن یعنی کلیسیا میں مکمل شراکت حاصل کر کے
ایک نہیں ہوتا۔ "تاکہ یہ بھی ہماری طرح ایک ہوں" یوحنا ۱۷: ۱۱۔ ۲۰

کائنات کا انجام :۔ دوسرے باب میں ہم نے دیکھا کہ اس کا لب لباب یہی ہے کہ انسان حقیقت کے ساتھ اپنا تعلق درست رکھے۔ یعنی خدا سے اپنا برتاؤ درست رکھے۔ کیونکہ

۱۔ خدا حاکم اور مالک ہے۔ اور ہر چیز پر جو دنیا میں ہے قادر ہے۔
نیز بھائی سے اس نئے محبت رکھنا ضروری ہے کہ وہ ہمارا بھائی اور پڑوسی ہے اور کلام اس کے متعلق بہت ہی اعلےٰ تعلیم دیتا ہے۔ "اپنے پڑوسی سے اپنی مانند پیار کر" کیونکہ سب سے افضل حکم یہی ہے۔ اور یہ طریقہ عالمگیر اخلاق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
اور اسی سے ہم خدا کی فرزندیت کے درجے تک پہنچتے ہیں۔ مزاج اور سیرت میں بھی یہ ایک لازمی قدم ہے۔
تیسرے باب میں ہم نے دیکھا ہے۔ کہ گناہ اصلی نشان سے چوک جانے کو کہتے ہیں یا حقیقی زندگی کے طریقے سے بھٹک جانے کو یا پھر سے اصلی رشتے سے جو انسان اور خدا کے درمیان ہے انحراف کرنے کو۔ اور اسی وجہ سے نجات کا مقصد ہے واپس لوٹنا اور گناہ سے بچانا۔ اور اس رشتہ کو دوبارہ قائم کرنا جو ابتدا میں خدا اور انسان کے درمیان تھا۔ اور جسم کو مع اس کی رغبتوں کے صلیب پر چڑھا کر قدرت اور نجر پر قابو پاکر اصلی مقصد اور مدعا کو حاصل کرنا۔ اور اسی میں زندگی بسر کرنا۔
ہم نے گناہ کی حالت میں ایک بات کو دیکھا اور وہ تھی خود غرضی مگر جب ہم کو نجات کی خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔ تو ہمارا نقطہ نگاہ تبدیل ہو کر ہمارا دل مہربانی، شفقت، محبت اور رحمدلی اور نرم دلی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اب یہ ہے کسوٹی اس امر کو معلوم کرنے کے لئے کہ ہم

نجات یافتہ ہیں یا نہیں۔

نجات پانے کا مقصد ہے خدا کے فرزند کہلانا۔ اور خدا کے وارث اور مسیح کے ساتھ ہم میراث ٹھہرنا۔ کیونکہ اسی نے اپنی زندگی کے ذریعہ سے ایک ایسی محبت کی بے مثل قربانی پیش کی جس کی وجہ سے وہ گناہگاروں کا دوست اور خدا کا بیٹا ٹھہرا۔ سو مسیح کو مان لینا۔ اور اسی کی قربانی پر ایمان لانا اور اسی کو واحد منجی اور شافی خیال کرنا گناہگار کے لئے ضروری ہے۔ خداوند خود فرماتے ہیں۔ راہ۔ حق اور زندگی میں ہوں۔ اور اسی لئے اگر گناہگار اس کو مانیگا اور اس کی تقلید دل وجان سے کریگا تو مسیح ضرور اس میں کام کریگی اور وہ ایمان لاکر بہشت پائے گا اور اقرار کرکے خدا کا بیٹا ہونے کا حق دار ہوگا۔

چھٹا باب

نجات کے کام میں مسیح کا حصہ

مسیح کے متعلق ہم اس باب میں باتشریح بیان کرینگے۔ کیونکہ وہ خدا کا مظہر اور مکاشفہ ہے۔ اور نجات کے متعلق بغیر مسیح کے ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ وہی نبی اور شافی ہے۔ نیز اس کا نام یسوع رکھا گیا۔ کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دیگا۔
"خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا۔ کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔
یوحنا ۳: ۱۶۔

خداوند مسیح دنیا کے منجی ہیں۔ "کیونکہ آسمان کے تلے اور زمین کے اوپر کوئی دوسرا نام بخشا ہی نہیں گیا جس کے وسیلے سے نجات مل سکے"۔ خداوند نے خود فرمایا "راہ۔ حق اور زندگی میں ہوں"۔ آپ جتنا عرصہ بھی دنیا میں رہے۔ انسان کی نجات کے کام انجام دینے اور اُن کے ہمراہ بھلائی کرتے رہے۔ اور اُن کو تمام گناہوں سے اور بیماریوں سے شفا دیتے رہے۔ بدیں وجہ شاگردوں نے بھی آپ کے بعد توبہ کی منادی اور بنی نوع انسان کو مسیح پر جو زندہ خدا کا بیٹا اور دنیا کا نجات دہندہ ہے ایمان لانے کی تلقین فرمائی۔

ہم نے اس سے قبل کے ابواب میں نئے عہدنامہ کی تعلیم کا بالاختصار اظہار کیا ہے اور ہم نے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ نجات خدا کے فضل اور بخشش پر منحصر ہے۔ اور اس کی ظاہر شرط محض توبہ اور اقرار ہے۔ اب ہم ذیل میں دیکھیں گے کہ نجات کے کام میں مسیح کا کیا حصہ ہے

دوم: مسیح کا تجسّم اور اظہار

تجسّم کے معنے ہیں۔ جسم اختیار کرنا۔ یا انسانی جامے میں آنا۔ یا ہندی میں "اوتار دھارنا" یعنی خدا نے اپنے آپ کو انسانی جسم میں مسیح کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ انسان کے مشابہ ہو کر ان کے درمیان رہا۔ یوحنا ۱: ۱۴۔ ۲ کرنتھی ۵: ۱۹۔ اور پولوس بھی ہم کو یہی تعلیم دیتا ہے۔ کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا۔

اس مظہر کے منکشف کے قبل دنیا خدا کو اس کی صفات کو نہ جانتی تھی۔ وہ اس کو خود مختار۔ بے رحم اور بے انصاف اپنی مرضی کرنے والا۔ ایک ایسا کاریگر جو کہ ایک کل کو بنا کر علیحدہ ہو گیا ہو۔ اور اب اس کا تماشہ دور سے دیکھ رہا ہو خیال کرتی تھی۔ اب ایسے خدا کے پاس پہنچنے کا دل کسی کے پاس نہ تھا کیونکہ گناہگار انسان کیسے ہمت کر سکتا تھا۔ اسی لئے ایک ذریعہ کا استعمال ضروری ہوا کہ انسان اور اس کے گناہوں کے لئے فدیہ دیا جائے۔ اور خدا کی محبت اور درد کو جو کہ اس کو اپنی مخلوق سے ہے ظاہر کر دیا جائے۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ انبیاء زمانہ بہ زمانہ آتے رہے۔ اور خدا کی طرف سے پیغام سناتے رہے۔ مگر کوئی دنیا کی ظلمت کو دور نہ کر سکا اور نہ ہی گناہ کی دلدل سے نکال سکا۔ بلکہ برعکس اب

کے اِنسان کی حالت دِن بدن بدتر ہوتی گئی۔ "خدا مسیح میں تھا" ۲ کرنتھی
۵: ۱۹ اور اس میں ہو کر اس نے گم شدہ اِنسان کو ڈھونڈا اور بچایا۔
لہٰذا مسیح خدا کا اظہار ہے۔ اور اُس کا مجسّم ہے۔ اور انسانی ارادے
اِشارے، محبّت اور الٰہی مقصد کی ایک سچی مثال ہے۔ جو خُدا نے اس کے ذریعہ
سے ظاہر کی۔
خداوند مسیح نے خود اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ میں اور خدا ایک
ہیں۔ یوحنا ۱۰: ۳۰۔ اور اس نے وہی کیا جو کہ خُدا کی مرضی کے مطابق
اور اسی کی بادشاہت کی اشاعت کے متعلق تھا۔ یوحنا ۸: ۲۸-۲۹۔
"میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا" یوحنا ۱۴: ۹۔ جس نے مجھے دیکھا
اُس نے باپ کو دیکھا۔ یہ ہی حقیقت ہے جس کو سمجھنے میں ہم بیشتر و اکثر
خطا کرتے ہیں۔ یہ ایک صداقت ہے جس کا انکشاف مظہر کے ذریعہ
سے ہُوا۔ اب یہ دونوں ہستیاں دراصل ایک ہیں۔ ارادے، مرضی، پاکیزگی
عمل اور ان تمام اعمال اور معجزات میں جو کہ اُس نے دُنیا میں ساڑھے تین
سال کا قلیل عرصہ رہ کر ظاہر کئے۔ خُدا کا پُورا پُورا اظہار کیا۔ اور
خدا کی صورت اور شکل ہمارے سامنے مجسّم ہو کر ظاہر کر دی۔" اور
کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے۔ اور اس کے جس پر بیٹا اسے
ظاہر کرے"۔ خداوند رحیم اور پُر محبت ہے اور یہی خوبی باپ میں بھی
ہے۔ اور باپ کو ظاہر کرنا مظہر کا فرض تھا۔ اور اس نے یہ کیا بھی۔
تاکہ کھوئے ہوئے انسان کو ڈھونڈے اور بچائے۔ اور بعینہ باپ اپنے
مظہر کے بیچ میں ہو کر تعلیم دیتا۔ شفا بخشتا، منادی کرتا اور گنہگاروں
کو بچاتا رہا۔

مظہرنے نہ صرف ہم کو خدا کی خوبیاں ہی بتائیں کہ وہ کیا کرسکتا ہے یا کرنے کو تیار ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ بھی ظاہر کر دیا۔ کہ انسان کو اپنی زندگی کس معیار پر بسر کرنی چاہیئے۔ اور کامل ہوکر انسان کیسا یا کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ معیار جو خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے وہ مسیح خداوند ہے۔ کیونکہ کلام یہ فرماتا ہے۔ "اور ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا ہونگے۔ مگر اتنا جانتے ہیں۔ کہ جب وہ ظاہر ہوگا تو ہم بھی اُس کی مانند ہونگے۔ کیونکہ اس کو ویسا ہی دیکھینگے جیسا کہ وہ ہے۔ ۱ یوحنا ۳: ۲۔ ہم نے دیکھا کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور کامل انسان خدا کی صورت پر ہے بھی۔ کیونکہ خدا کا ازلی فرزند خداوند مسیح انسان کے متعلق اعلےٰ تصور کا اظہار ہے۔

نیز خدا نے مسیح کو کامل انسان پیدا کرکے یہ ظاہر کر دیا۔ کہ وہ معیار ہے جس سے وہ ہر بنی نوع انسان یہ معلوم کرسکتے ہیں۔ کہ وہ کیسا ہیں۔ اور جب انسان نے اس کی طرف نگاہ کی تو اُس کو معلوم ہوا کہ کہاں وہ اور کہاں انسان۔ لہٰذا پھر وہ خدا کی اس محبت اور پاکیزگی کو حاصل کرنے کا جویا ہوا۔ جو مسیح کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اُس نے مسیح کو دنیا میں بھیجا۔ یوحنا ۳: ۱۶

مسیح نے ہم پر خدا کی رحمت اور محبت کا اظہار کیا جو کہ ازل ہی سے بنی نوع انسان کے لئے رکھتا تھا۔ اور اس نے اس کی طرف سے نجات کا طریقہ بھی بتایا۔ اور کہا کہ اس طریق کی پیروی کرو۔ کیونکہ

"صلیب کا راستہ ہی ہمارے اصلی گھر کا راستہ ہے"۔ کیونکہ خدا کا راستہ دنیا کو بچانے کا محبت، خدمت اور قربانی کا راستہ ہے۔ اور اس میں محبت افضل ترین خوبی ہے۔ اور اس کا پیمانہ قربانی ہے۔ اس لئے کہ مسیح نے اپنے آپ کو خالی کر دیا۔ اور خادم کی صورت اختیار کی"۔ اور اس درجے تک خادم بن گیا۔ کہ اپنے شاگردوں کے پیر دھوئے۔ اور یہی ظاہر کیا۔ کہ "راہ حق اور زندگی اسی کے ذریعے سے یا دی ہے" اب انسان کا فرض ہے۔ کہ اس کی اس محبت اور نفس سے فائدہ اٹھائے مگر افسوس ہے کہ وہ ابھی تک خواب غفلت میں پڑا ہوا۔ شیطان کے چنگل میں جکڑا زمانے اور اس کی رفتار کے سمندر میں ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بہتا ہوا جاتا ہے۔ جس کا آخری انجام ساحل کے ساتھ ٹکرا کر ہلاک ہونا ہے۔

مظہر اور مکاشفے کا طریقہ:-

مسیح نے اپنی خوشخبری (یوانگلیان) کو اپنی تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ کیونکہ وہ صاحب اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا۔ اور اس کے کلام میں زندگی تھی۔ اور وہ لوگوں کو گناہ۔ نجات۔ خدا اور اس کی بادشاہت کے متعلق سکھاتا اور سمجھاتا رہا۔ اس نے اپنی زندگی کے عمل سے اپنی خوشخبری کا انکشاف کیا۔ کیونکہ اس کی زندگی کا طرز عمل اس کی تقریر سے کہیں بلاتر ہوا کرتا تھا۔ مگر اس کی زندگی اور عمل میں مکمل موافقت تھی۔ کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کہ "میں وہی کام کرتا ہوں جو اُسے پسند آتے ہیں" یوحنا ۸: ۲۹۔ اور اس نے انہیں محبت کے کاموں سے اس ازلی اور ابدی خدا کا اظہار کیا۔

وُہ بے گناہ اور پاک تھا اور محبت اور رحم اس کی زندگی کا شیوہ تھا۔ کسی شخص نے بھی اس پر خود غرضی یا غلطی کا الزام نہ لگایا۔ بدیں وجہ اس کی اندرونی زندگی دنیا کے لئے روشنی کے مینار کی طرح ہے۔ اور رہے گی۔ اور اس سے خدا کے دل اور محبت کا اظہار کرتی رہیگی اس نے اپنی موت سے نجات کی خوشخبری کو ظاہر کیا۔ اور خود اپنی مرضی سے یا اختیاری طور پر اپنی جان کو دنیا کے بچاؤ کے لئے فدیہ ہونے کو دیدیا۔ کیونکہ محبت سے معمور باپ کی مرضی اسی میں تھی کہ گنہگار بچ جائے۔ اسی لئے قربانی ہی محبت کو جانچنے کا معیار ہے۔ اور لامحدود محبت کا اظہار بھی ایک لامحدود اور عالمگیر قربانی ہی سے ہو سکتا ہے۔ مقدس خداوند نے ایسی لعنتی موت اس لئے گوارا کی۔ کہ اس کی محبت کے ذریعے سے دنیا بچ جائے۔ اور یہی ایک ایسی دلیل ہے جس کو ابھی تک دنیا نہ پہنچ سکی۔ اس کی دعوت ہر زمانے ہر ایک قوم و ملت کیلئے ہے کہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے

مسیح کی موت کا مطلب :-

اوّل :- مسیح کی موت خدا باپ کو ظاہر کرنے کی سعی کی انتہائی منزل تھی۔ اس سے قبل اُس نے اپنی تعلیم میں بھی خدا کی محبت کا ذکر کرتے وقت ظاہر کر دیا تھا۔ کہ "میں اور خدا ایک ہیں"۔ لہٰذا اُس کے اور خدا کے ارادوں میں تبدیلی نہ ہوئی۔ بلکہ اسی سے یہ ظاہر ہوا۔ کہ خدا انسان کو جسے اس نے پیدا کیا ہے کیسے محبت کرتا ہے۔ اس نے گم شدہ انسان کا صلیب پر خدا سے میل کرا دیا۔

اور یہ ظاہر کر دیا کہ آسمانی باپ اپنی اولاد کے لئے کس قدر دُکھ اُٹھانے اور تکلیفوں اور ذلتوں کی برداشت کرنے کو تیار ہے۔ "خدا مسیح میں تھا" ۲ کرنتھی ۵: ۱۹ ۔ جو سراسر محبت سے معمور۔ دُکھ برداشت کرنے میں صابر۔ انسان کو ڈھونڈ کر نجات دینے میں مستعد، اور انسان کا خدا سے میل یا صُلح کرانے کو تیار تھا۔

دوم :- مسیح کی موت سے گناہ مغلوب ہُوا۔ گناہ کی اصلیت اس وقت ظاہر ہُوئی۔ جب کہ مسیح صلیب پر میخوں سے ٹھونک دیا گیا۔ اس سے پیشتر اس کی دھوکا بازی۔ کمینگی اور خود غرضی کا عوام میں مشاہدہ نہ کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اس وقت ہُوا۔ کیونکہ اس جگہ دھوکا بازی اور مکاری ظاہر ہو گئی۔ مسیح کی موت دنیا کو گناہ گار ثابت کر کے اس پر یہ ظاہر کرتی ہے۔ کہ گناہ کتنا بڑا ہے۔ اور جس طرح کہ خدا کو جو سراسر پاک اور مقدس ہے گناہ سے کراہیت اور نفرت ہے اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی جو اس کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے گناہ سے جو کہ بہت ہی مکروہ ہے نفرت کرے اور توبہ کر کے باز آئے۔

سوم :- مسیح کی موت خدا کی پاکیزگی اور راستبازی کے مکاشفے کی انتہائی منزل ہے۔ خداوند مسیح نے گناہ پر فتح پائی۔ اور وہ صلیب پر مکمل ہُوئی جب اس نے اپنی محبت اور پاکیزگی کے ذریعہ سے اسے ہمیشہ کے لئے مغلوب اور نابود کر دیا۔

چہارم :- مسیح کی موت لوگوں کو توبہ کی طرف راجع کرنے کے لئے ایک سب سے بڑی طاقت ہے۔ کیونکہ خدا کی شان کے شایاں

نہیں۔ کہ وہ بنی نوع انسان کو توبہ کے لئے مجبور کرے۔ کیونکہ پھر یہ اختیاری عمل نہ رہیگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا تھا جو اس نے کیا کہ اس نے اپنی پاکیزگی اور محبت کا اظہار کر دیا۔ اور اپنے آپ کو دکھ میں ڈال کر لوگوں سے گناہ سے انحراف کی اپیل یا استدعا کرے۔ اور ان کو باپ کے پاس لے آئے۔ کیونکہ یہ امر یقینی ہے۔ کہ لوگوں کے سخت دل اگر موم ہو سکتے ہیں تو صرف صلیب ہی کے نیچے ہو سکتے ہیں۔ اور خود غرضی اور مکاری کا پردہ پھٹ کر اس کی جگہ الہٰی نور ضیا پاش ہو جاتا ہے۔ اور انسان خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ نیز صلیب ہی ایک نشان ہے کہ انسان کے گناہ بخشے گئے۔ اور اس کی خطا ڈھانپی گئی۔ اور اس پر فضل ہو چکا۔ کیونکہ خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا۔ کہ اس نے مسیح میں انسان کے بچاؤ کے لئے انتہا درجہ کی تکلیف برداشت کی۔

پنجم:- صلیب الہٰی ہمدردی کا نشان ہے:-

یہ وہ مقام ہے۔ جہاں پر باپ نے اپنے بچوں کے ساتھ الفت اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور ان کے گناہوں کو اٹھا کر ان کو آزاد کر دیا۔ اور خدا اس کی سزا اٹھائی۔ اور انسان کے قریب ترین رہ کر زندگی بسر کی۔ تاکہ انسان اس کے ساتھ رہ کر اس سے صلح کر لے۔ اور آئندہ کو گناہ کی غلامی میں نہ رہے۔ "کیونکہ اب تم اپنے نہیں بلکہ خون سے خریدے گئے ہو"۔

ششم:- صلیب یہ ظاہر ہوا۔ کہ مسیح نے انسان کے

نے اپنا خون بہایا۔ اور دنیا کے لئے اپنی ہی ازلی مرضی سے اپنے آپ کو کفارہ ہونے کے لئے دے دیا۔ اِسی لئے کھوئی ہوئی دُنیا کی نجات کی انتہائی منزل صلیب ہی ہے۔ کیونکہ اُس کا اس کفارے سے مطلب ہے انسان کی مخلصی۔ جو کہ بغیر خون بہائے ناممکن ہے یہی خون بکروں اور مینڈھوں کا جو کہ ازمنہ سابقہ میں شریعت کے ذریعے سے مقرر ہُوا۔ وہ محض اس عالمگیر قربانی کے ہونے تک کے لئے ایک ایما تھا۔ اور جب یہ قربانی جس کا ذکر کلام ربانی اور توریت واضح طور سے کرتی ہیں ہو چکی تو پھر ان بکروں وغیرہ کی ضرورت نہ رہی۔ مسیح کی قربانی اختیاری قربانی تھی یوحنا ۱۰: ۱۷ - ۱۸ - نہ کہ اضطراری۔ لہٰذا یہ اختیاری قربانی عالمگیر قربانی ہے۔ جو خدا کی طرف انسان کی مخلصی کے لئے ضروری تھی۔

ہفتم:۔ صلیب زندگی کا راستہ ہے:۔

صلیب کا راستہ بہت ہی مشکل ہے۔ مگر ہر ایک مسیحی ایماندار کے لئے اس پر چلنا ضروری ہے۔ کیونکہ ایک مسیحی تب ہی مسیحی کہلا سکتا ہے جب کہ مسیح کے ساتھ مصلوب ہو کر اور دُکھ اٹھا کر اسی کے ہمراہ جی اُٹھا ہو۔ اور نیا انسان بن چکا ہو۔ نیز نہ صرف خود ہی بچے بلکہ دوسروں کو بھی صلیب کے پاس لانے میں مدد کرے۔

یسعیاہ ۳۸: ۱۷:۔ "اور میری جان پر مہربان ہو کر تُو نے اسے نیستی کے گڑھے سے رہائی دی"۔ محبت کو ضروری ہے

قربانی کرے۔ کیونکہ صلیب۔ صلیبی۔ خدمت۔ خود انکاری۔ خدا کی بادشاہت کے لئے ہی زندگی کا راستہ ہے۔ اور صلیب مسیحیت کا نشان ہے۔

مسیحی اصطلاحات اور محاورات کی تشریح

نجات۔ اس لفظ کے معانی اس قدر گہرے اور بلند ہیں کہ اس کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص لفظ یا محاورہ یا اصطلاح کلام میں نہ لائی جا سکی۔ بریں وجہ مختلف الفاظ اور محاورات سے اس تمام عمل کو جو نجات کے ایک لفظ میں مذکور اور مرکوز ہے ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور بعض علماء کا خیال یہاں تک بھی تجاوز کر گیا ہے کہ یہ محاورے یا اصطلاحیں جن کو ہم ذیل میں پیش کریں گے۔ اصلی مدعا کو ظاہر کرنے میں پوری نہیں اترتیں۔ مگر بہرکیف وہ اس حقیقی مطلب تک پہنچنے میں مدد ضرور دیتی ہیں۔ وہ اصطلاحیں اور محاورے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ مثلاً تصدیق۔ تقدیس۔ کفارہ۔ تبنیت۔ مخلصی۔ فدیہ۔ میل ملاپ۔ نئی پیدائش۔ وغیرہ۔ اور یہ سب نجات کے نتائج ہیں نہ کہ عمل۔ کیونکہ عمل کے متعلق ہم پیشتر کے ابواب میں گزارش کر چکے ہیں۔ یعنی انسان کی طرف سے توبہ اور ایمان اور خدا کی طرف سے فضل اور معافی۔ جیسا کہ مسیح خداوند نے خود تعلیم دی ہے۔ اور اس نے خدا کی بادشاہت کو مختلف تمثیلوں سے ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ خدا کی بادشاہت کو بیان

کرنے کے لیے یہ تمام ذرائع و وسیلے ناکمل اور ناچیز ہیں۔ مگر پھر بھی یہ سب ذرائع بادشاہت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ضرور ڈالتے ہیں۔ مثلاً خدا کی بادشاہت کو رائی کے دانے۔ خمیر۔ چھپے ہوئے خزانے موتی۔ درہم۔ بیج۔ دس کنواریوں اور بھیڑ بکریوں وغیرہ کی تماثیل سے ظاہر کیا گیا۔ آپ خود ہی بتا سکتے ہیں۔ کہ ایک خاص چیز کیسے ان سب چیزوں کی طرح ہو سکتی ہے۔ مگر یہ سب اس حالت کی عقدہ کشائی یا انکشاف ضرور کرتی ہیں۔ بعینہ نجات کے ان بھاری نتائج کو مندرجہ بالا الفاظ بھی بیان کرتے ہیں۔ جن کی تشریح ہم ذیل میں کرینگے۔

۱۔ **تصدیق**:۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے۔ جو عام طور پہ کچہریوں میں استعمال ہوا کرتا ہے۔ اور اس مجرم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس نے مقدمہ جیت لیا ہو۔ یا جو بے قصور ثابت ہو چکا ہو۔ اور سزا کے خوف سے چھوٹ گیا ہو۔ اس لئے نجات تصدیق کی مانند ہے۔ اس لئے کہ گنہگار جس کی سزا موت تھی۔ مسیح کے ذریعہ اس قتل سزا سے بچ گیا۔ اور اب اس پر کوئی حکم نہیں۔ وہ بالکل آزاد ہے۔ اسی حالت کو تصدیق کہتے ہیں۔

مگر یہ ضرور یاد رہے کہ ہم آسمانی باپ کو ایک عدالت والا منصف خیال نہ کریں۔ بلکہ اس کو ایک باپ کی طرح جو کہ اپنے خاندان میں ہے۔ اور تائب فرزند کو بخشتا ہے جب کہ وہ اس کے پاس آتا ہے۔ اسی لئے تصدیق توبہ۔ ایمان اور بپتسمہ کا نتیجہ ہے۔

تقدیس:- اصل میں اس لفظ کے معنے ہیں "علیحدہ کرنا" یا خدا کے لئے مخصوص کر دینا"۔ یا دوسرے الفاظ میں مقدس کر کے یا خصوص کر کے کُلّیۃً طور پر خدا کے لئے یا نام پر علیحدہ کرنا۔ اور اسی لئے پولوس مسیحیوں کو مقدس کہتا ہے۔ کیونکہ وہ مقدس یا پاک کر دیئے گئے۔ اور دنیا سے علیحدہ کر کے ان کو خدا اور اس کی کلیسیا کے لئے علیحدہ کر دیا گیا۔ مگر یہ خیال ضرور رہے۔ کہ وہ مکمل طور سے مقدس نہیں ہوئے۔ مگر یہ لفظ اکثر اوقات اس لئے استعمال ہوتا ہے۔ کہ انسان کی کامل حالت کو ظاہر کرے۔ جو کوئی شخص بھی اپنی زندگی میں حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر یہ ضرور ہے۔ کہ یہ حالت قدسیت ایک متواتر ترقی ہے جو کہ فضل کے ماتحت انسان کو حاصل ہوتی ہے اور آئندہ زندگی میں اختتام کو پہنچتی ہے ہم خدا ترسی اور خدا پرستی میں روز بروز ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور کاملیت کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اسی کو ترقی کی منزل یا کاملیت کی طرف بڑھنا یا تقدیس کہتے ہیں۔

۲۔ **کفارہ۔ بلیدان:-** لفظ کفارہ کے معنی ہیں ڈھانپ لینا۔ بخش دینا یا بدلہ دے دینا۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ گناہ کے وسیلے سے انسان خدا سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ اب کفارہ اس کو خدا کے پاس لے آتا ہے۔ اور اسی طرح سے مسیح نے اپنے اس کفارے کے ذریعہ ہمارا خدا سے میل کرا کے ہم کو اس کے ساتھ ایک کر دیا۔ خداوند مسیح ہمارے گناہوں کے لئے خود قربان ہوا۔ ۱ یوحنا ۲:۲۔ اور اس لفظ کے معنے ہیں کہ خدا کو جو ناراض تھا پھر خوش

راضی کر لینا ۔ مگر یہ بات ضرور ماننی پڑے گی ۔ کہ لوگوں کو خدا کے
متعلق علم ضرور تھا ۔ لیکن وہ پُر محبت خدا نہیں مانتے تھے ۔ بلکہ اُس کو
تند مزاج ۔ غصہ ور ۔ سخت ۔ قہار ۔ جبار ۔ بے انصاف وغیرہ تصور
کرتے تھے ۔ جو کہ ہر وقت گنہگار انسان کی طرف قہر آلودہ آنکھوں
سے دیکھتا رہتا تھا ۔ اور ہمیشہ اس کو سزائے موت دینے کو تیار
تھا ۔ لہٰذا یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کو خوش کیا جائے ۔ اور
اسے نذرانے ، ہدیئے یا قربانیاں چڑھا کر خوش کیا جائے ۔ تاکہ وہ
مہربان ہو ۔ اور اسی مطلب سے یہ لفظ استعمال ہوا ہے ۔ مگر مسیح
نے غصہ ور خدا کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ بلکہ گنہگار
انسان کو اس کے پاس لے گیا ۔ اور اُسے توبہ اور اقرار کرنے کی
طرف راغب کیا ۔ اور خدا نے اپنی شفقت اور رحم اور مہربانی سے
اُسے معاف کر دیا

۴ ۔ **میل ملاپ** :- مطلب یہ ہے ۔ کہ خدا نے مسیح میں
ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا ۔ اور اُن کی تقصیروں کو
ان کے ذمہ نہ لگایا ۔ اور اس نے میل ملاپ کا پیغام ہمیں سونپ
دیا ۔ ۲ کرنتھی ۵ : ۱۹ ۔ خدا اور مسیح ایک ہیں ۔ اور خدا کا کلمہ جو
مسیح تھا ۔ جس نے انسان کا خدا کے ساتھ میل ملاپ کر لیا ۔ اسی
لئے اس کو توبہ کی طرف بلایا ۔ اور اس کے خیالات میں تبدیلی کی
یا کرنے کی قدرت بخشی ۔ اور پھر اس نے توبہ کر کے اپنے آپ کو
آراستہ کیا تاکہ خدا سے جو گنہگار کو ملنے کے لئے ہر وقت تیار
رہتا ہے ملاقات کرے کہ اس کے ساتھ ایک ہو ۔ اور وہ بھی اس کو

قبول کرے۔

۵۔ متبنّیٰ:۔ پولوس اس ہی تبنّی کی حالت کو فرزندیت کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جب وہ اس طرح کلام کر رہا تھا۔ تو اس کا مطلب ان غیر مسیحیوں سے تھا جو کہ ابھی تک مسیح کے پاس نہ آئے تھے۔ اور جن کا رسول وہ خود کہلاتا ہے۔ اور جن کے دل میں یہ خیال تھا کہ وہ کسی طریقے سے بھی خدا کی فرزندیت کے درجہ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ پولوس ان کی ہمّت افزائی کرتے ہوئے ان کو خدا کی بادشاہت کے وارث اور اس کے ہم میراث کہہ کر یاد کرتا ہے۔ خداوند مسیح نے بھی اپنی تمام زندگی میں محض ایک ہی مقصد کو پورا کیا اور وہ یہ تھا کہ کسی طرح گنہگار انسان بچ جائے۔ اور جتنوں نے اسے قبول کیا۔ اس نے انہیں فرزندیت کا حق بخشا۔ یا پولوس کے الفاظ میں تبنّی کا عہدہ دے دیا۔ اور بادشاہت کی تمام نعمتوں کا وارث مقرر کیا۔

۶۔ مخلصی:۔ خلاصی یا رہائی۔ انگریزی زبان میں جو لفظ آیا ہے۔ اس کے معنے ذرا زیادہ واضح ہیں۔ یعنی واپس خرید کر رہا کر دینا۔ یا کسی شخص یا جائیداد کو واپس خرید لینا جو کہ رقم واجب الادا ادا نہ کرنے کی وجہ سے بک چکی ہو۔

مسیح ہمارا مخلصی دینے والا ہے۔ جو ہمارا اور ہماری روحوں کا مالک ہے۔ اور ہم کو باپ کی طرف سے جاتا ہے۔ اور اس قیمت کو یا سزا کو برداشت کر کے گنہگار کو بچاتا اور خدا کے عدل کو پورا کرتا ہے۔ اب جو اس کو قبول کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر گناہ

اور اس کی قید سے مخلصی یافتہ ہے۔

۷۔ فدیہ :۔ مخلصی کی قیمت۔ یہ وہ قیمت ہے۔ جو اس شخص کو دی جاتی ہے جو کسی غلام یا جائیداد پر قابض ہوتا ہے۔ تاکہ وہ اسے قبول کرکے اس جائیداد یا غلام کو آزاد کردے۔ وہ جو گناہ کرتے ہیں وہ گناہ کے غلام ہیں۔ اور گناہ انسان کو اس قدر مجبور اور مجبوس کر لیتا ہے کہ انسان اس کی تقلید میں اندھا اور بیکس ہو جاتا ہے۔ اور یہاں تک مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو آزاد ہی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے مسیح گنہگار کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ گناہ کی غلامی سے یعنی گناہ اور برائی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور یہ محض اس کی طاقت سے ہے۔ وہ اُسے آزاد کر دیتا ہے۔ اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے۔ اس کا فدیہ دے دیتا ہے۔ اسی لئے نجات فدیہ کی طرح ہے۔ کیونکہ پہلے ہم گناہ میں بندھے ہوئے تھے۔ مگر اب ہم آسمانی باپ کے گھر میں آزاد فرزند کی طرح ہیں۔

۸۔ نئی انسانیت یا نئی پیدائش :۔ اس کے معنے ہیں نئے طور سے پیدا ہونا۔ اور اسی لئے ایمان اور توبہ کا انحصار محبت پر ہے۔ اور وہ محبت خدا اور اس کی صداقت پر ہے۔ اور وہ محبت کا نقطہ نگاہ جو نئے طور سے ظاہر ہوتا ہے نئی پیدائش کی طرح ہے اور وہ ہی ہم کو نئی زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی مسیحی زندگی ہم کو نئے معیار۔ نئے مقاصد۔ نئی خوشیاں۔ نئے کام۔ نئے دوست نئی امیدیں وغیرہ دکھاتی اور عطا کرتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو نئی زندگی یا نئی پیدائش کہتے ہیں۔ اور یہ نجات ہی کا نتیجہ ہے۔

نتیجہ:- نجات کے متعلق تعلیم کوئی مشکل یا ناممکن امر نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام فہم ہے۔ جس کا ماحصل مندرجہ ذیل حقیقتوں پر ہے۔

۱۔ خدا جو ہمارا آسمانی باپ ہے۔ اس کو گنہگار سے محبت ہے مگر گناہ سے نفرت۔

۲۔ خدا اور مسیح ایک ہیں۔ خداوند مسیح نے خدا کے دل کی تجویز کو جو کہ وہ گنہگار کی مخلصی کے لئے رکھتا تھا ظاہر کر دیا۔ اور بتا دیا کہ انسان کس طرح بچ سکتا ہے لہذا مسیح درمیانی۔ شافی اور مخلصی دینے والا نجی ہے۔

۳۔ انسان خدا کی صورت پر پیدا کیا گیا۔ مگر وہ اپنی بے عقلی اور خود غرضی کی وجہ سے گنہگار ہو گیا۔ اور اسی گناہ آلودہ حالت میں خدا کے حضور سے جدا کیا گیا۔ مگر جب وہ اپنے گناہ کا اقرار کرتا اور توبہ کرتا ہے۔ اور گناہ سے متنفر ہو جاتا ہے تو خدا اس کو معاف کرتا ہے۔ اور اس کا اپنے ساتھ میل ملاپ کر لیتا ہے۔ یوحنا ۱: ۹ آیت۔

ساتواں باب

کلیسیا کے متعلق تعلیم

اوّل :- لفظ کلیسیاء کی تشریح -

لفظ کلیسیا جو یونانی لفظ (EKλYσια) ایکلیسیا سے مشتق ہے ۔ نئے عہد نامے کے نوشتوں میں پہلے پہل جس مقام میں استعمال کیا گیا ہے ۔ وہ دو لفظوں سے مرکب ہے ۔ یعنی (EK) ایک (میں سے EK Tου Kοσμου دنیا میں سے) اور (KKλEIN) کالائین (بلانا) لہذا کلیسیا ، بُلائے ہوؤں کی ایک جماعت تھی ۔ یونانی اور یہودی مُدت سے اس کا استعمال کرتے رہے ۔

قدیم یونانیوں میں اس لفظ کے معنے باضابطہ مجلس کے ہیں۔ دیکھو اعمال ۱۹ : ۳۹

یہودی قوم اس کے لئے ایک اور لفظ استعمال کرتی تھی جس کے معنے بھی یہی تھے ۔ اور وہ لفظ کاہل ہے ۔ اور اس کا ترجمہ کلیسیا ہی کیا گیا ہے ۔ گنتی ۱۰ : ۱-۷ تک ۔ عبرانیوں ۲ : ۱۲ -
اس لفظ کا استعمال پاک کلام میں ۱۱۰ مرتبہ آیا ہے ۔ مگر پولوس اپنے خطوں میں اور لوقا اعمال میں ۸۶ مرتبہ اس کا تذکرہ کرتے ہیں
غرض مسیحی کلیسیا ، ایک شراکت ہے مسیح کے ساتھ ایمانداروں کی

اور پھر ایمانداروں کی آپس میں۔ پولوس کے لئے یہ بہت ہی پیارا لفظ تھا۔ جس میں وہ بیش قیمت وعدوں کی تکمیل تو دیکھتا تھا۔ اسی لئے وہ اس کو ایمانداروں کی جو بلائے گئے ہیں جماعت کہتا ہے۔

کلام خاص طور پر اس امر کی گواہی دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کلیسیاء مسیح کا بدن ہے۔ اور اس کا ہر ایک شریک فرداً فرداً عضو ہے۔ خداوند نے کلیسیاء کی بنیاد ڈالی اور وہی اس کا بانی ہے اور کونے کے سرے کا پتھر۔ مسیحی کلیسیاء کا آغاز حقیقت میں اس وقت سے ہوا۔ جب خداوند نے ان بارہ شاگردوں کو بلایا۔ اور ان کو یہ تعلیم دی کہ وہ اس کے بعد خداوند کی بادشاہت کو زمین پر مستحکم کرنے کا بیڑا اٹھائیں۔ اس کے بعد ان بارہ کے ساتھ اور بھی شامل ہوئے۔ عید پنتکوست کے بعد بالا خانے پر ۱۲۰ اشخاص تھے۔ اعمال ۱: ۱۵۔

اس کے بعد تین ہزار شامل ہوئے اعمال ۲: ۴۱۔ اور ایمانداروں کی جماعت بہت ہی ترقی کرتی گئی۔ آخر کار سنہ میں پانچ لاکھ کی جماعت بن گئی۔ اور سنہ ۳۱۱ء میں ۳۰،۰۰۰،۰۰۰ اور آج کل ۵۶۵،۰۰۰،۰۰۰ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں جو اس کے نام پر بلائے گئے ہیں۔

لفظ کلیسیاء بعض اوقات مختلف معانی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ نئی پیدائش یافتہ لوگوں کی جماعت۔ جنہوں نے ابتداء سے انتہا تک خداوند مسیح کے ساتھ میل کیا ہو۔ اور اسی ضلع کی

وجہ سے اس کے حضور میں مقبولیت کے درجے تک پہنچ گئے ہوں۔ یہ کلیسیا، نادیدنی ہے۔ اور اسی کا مطلب ہے خدا کی روحانی حکومت

۲۔ مقامی جماعت کو بھی کلیسیا ہی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ باہم ملکر دعا عبادت کرتے اور خدا کی بادشاہت کی اشاعت کے جویاں رہتے ہیں۔ نئے عہد نامے میں ایسی جماعتوں کا بہت ذکر ہے۔ مثلاً آسیا کی سات کلیسیائیں۔ نیز وہ کلیسیائیں جن کو بالخصوص پولس نے اپنے خط بھیجے۔ اب یہ سات کا نمبر جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ کامل نمبر یا عدد ہے۔ اس سے مراد عالمگیر کلیسیائیں یا مسیحی جماعتیں ہیں۔

۳۔ کلیسیا سے مراد عالمگیر برادری۔ جو یسوع مسیح کے خون خریدے ہیں اور اس کی بادشاہت کو پھیلانے میں مددگار ہیں۔ کیونکہ یہ جماعت ایک ترتیب شدہ یا آراستہ شدہ جماعت ہے۔ جسے انسٹی ٹیوشن بھی کہیں تو بجا ہے۔ اسی کو ہم دیدنی یا ظاہری کلیسیا، کا مبارک نام دیتے ہیں۔

دوم :۔ کلیسیا کے لئے پولس تین الفاظ یا اصطلاحیں اور بھی استعمال کرتا ہے۔ جیسے عمارت۔ بدن اور دلہن

اول ۔ کلیسیا ایک عمارت کی طرح ہے ۔ افسی ۲: ۲۰-۲۲۔ جس کی بنیاد مسیح۔ شاگرد اور انبیاء ہیں ۔ اور ہر ایک شریک ایک اینٹ ہے ۔ ۱ کرنتھی ۳: ۱۰-۱۶ تک ۔ مسیح اس کلیسیا کی بنیاد ہے ۔ اور پولوس اور دیگر کارندے معمار ہیں ۔ اور جس طرح سب اینٹوں کے باہمی اتفاق سے ایک عمارت کی مضبوطی اور خوبصورتی

ہے۔ اسی طرح جماعت کے ہر ایک شریک سے اور ان کے باہمی اتفاق
اور یگانگت سے نہ صرف کلیسیاء مضبوط ہی ہوتی ہے۔ بلکہ خوبصورت
اور دلکش بھی بنتی جاتی ہے۔ لازم ہے۔ کہ ہر ایک شریک اپنے فرض
منصبی کو سمجھے اور پہچانے کہ اُس کی اس عمارت میں کیا
ذمہ داری ہے۔

دوم:- کلیسیاء مسیح کا بدن ہے۔ اکرنتھی ۱۲ باب میں یہ
صاف ظاہر ہے۔ کہ کس طرح انسانی جسم ایک مکمل شراکت ہے
ہاتھ، پیر، سر، آنکھ جو بھی حصہ بدن میں ہے۔ اس میں اتفاق
یگانگت اور میل ہے۔ اور سب جگہ سر جو سردار کہلاتا ہے۔ اس
کے حکم کے ماتحت ہیں۔ اسی طرح سے کلیسیاء کا ہر ایک شریک
ایک بدن ہے۔ بشرطیکہ خدا نے اُس کو یہ استعداد بخشی ہو۔ کہ
وہ بدن کہلائے۔ اور کلیسیا کی بہبودی میں کوشاں ہو۔ کیونکہ
جب اس کا سر مسیح ہے۔ تو لازمی ہے کہ اس کے ساتھ اتفاق
ہو۔ اور اس کے احکام کی تعمیل ہو۔

اُسی نے کسی کو رسول، کسی کو نبی، کسی کو چرواہا،
کسی کو معجزے دکھانے والا، کسی کو شفا بخشنے والا۔ کوئی زبانیں
بولنے والا وغیرہ بنایا ہے۔ اور یہ نعمتیں ہیں جو اس نے سب کے
سپرد کی ہیں۔ تمام اسی کے جلال اور بزرگی کے لئے استعمال
کرنی لازمی ہیں۔ کلیسیا جامع کو ان سب کی ضرورت ہے۔ اور
اگر ان میں کوئی درست طریقے پر استعمال نہیں کی جاتی۔ تو
کلیسیاء کو نقصان پہنچتا ہے۔ اسی لئے کلیسیاء کی بہبودی کو

مدِ نظر رکھتے ہوئے لازم ہے کہ ہر شخص اس نعمت کو ٹھیک اور درست طریقے پر استعمال کرے۔ ۱ پطرس ۴: ۱۰۔ اور اس کا انجام صلہ یا اجر خدمت کی وفاداری پر منحصر ہے۔

۳۔ کلیسیاء مسیح کی دلہن ہے:۔ افسی ۵: ۲۲-۳۲۔

خداوند مسیح اس دلہن یعنی کلیسیاء سے محبت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے لئے قربان ہو گیا۔ تاکہ اس کے خون سے وہ دلہن کو پاک اور مقدس بنا جائے۔ مگر دلہن کو بھی لازم ہے۔ کہ وہ مسلسل تابعداری۔ جاں نثاری۔ پاکیزگی اور خودشکناری کی زندگی بسر کرے۔ وہ پاک ہو۔ اور اس کے بدن پر کوئی داغ یا جھری نہ ہو۔ کیونکہ اسی حالت میں وہ مقدس ہو سکتی ہے۔

سوئم:۔ کلیسیاء کی سیرت کے متعلق:۔ کلیسیاء کی سیرت یا کیرکٹر کے متعلق دو قسم کے خیالات رائج ہیں

اوّل:۔ رومن کیتھولک خیال:۔ کلیسیاء کامل اور مقدس شخصوں کی جماعت ہے۔ ان میں سے سب لوگ مکمل طور پر کامل تو نہیں مگر کامل اس وجہ سے شمار کئے جاتے ہیں۔ کہ وہ سیکرامنٹ میں شامل ہیں۔ یعنی ان کی وجہ سے وہ پاک ہو جاتے ہیں۔ خواہ ان کی زندگی کیسی ہی کیوں نہ ہو۔

دوم:۔ پروٹسٹنٹ کلیسیاء کا خیال:۔ ایک ایمانداروں کی جماعت ہے جو ہنوز کامل تو نہیں مگر ہوتی جاتی ہے فلپی ۳: ۱۲-۱۴ پولوس کہتا ہے۔ بلکہ یہ کرتا ہوں کہ جو چیزیں پیچھے رہ گئیں ان کو بھول کر آگے کی چیزوں کی طرف بڑھا ہوا نشانے کی طرف

دوڑتا ہؤا جاتا ہوں۔ تاکہ اس اِنعام کو حاصل کروں جس کے لئے خُدا نے یسوع مسیح میں مجھے اُوپر بلایا ہے۔" ہم اس زندگی میں کاملیت حاصِل تو نہیں کر سکتے۔ مگر متواتر ترقی نفس کے ماتحت ضرور کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح کامِل سے کامِل ہوتے جاتے ہیں۔

کلیسیاء کے متعلق علماء کا خیال یوں ہے:۔

الف :۔ کلیسیاء ایک درس گاہ ہے جس میں ہم روز بروز اپنے چال چلن کو بنا سکتے ہیں۔

ب :۔ کلیسیاء ایک شفاخانہ ہے۔ گناہگار ایک مریض ہے اور وہ ہمیشہ روحانی امداد کا خواہشمند ہے۔ اس کو شفاخانے سے تشبیہ اس لئے دیتے ہیں۔ کہ اس میں خداوند کے خادم اور خادمائیں اپنی ان تھکا دینے والی محنتوں سے خداوند مسیح کی محبت اور طاقت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ جو سچائی اور علم کا بادشاہ ہے۔ اپنی ان کوششوں سے گناہگار کے صبر۔ ایمان اور امید کو بڑھاتے رہتے۔ جب تک کہ وہ کامل طور پر صحتیاب نہیں ہو جاتا۔

ج :۔ کلیسیاء ایک نرسری ہے۔ (دائی کا کمرہ جس میں بچے رہتے ہیں) اس میں بچے کھانا، ہوا۔ اور ورزش پاتے ہیں یعنی بائیبل کی تلاوت، عبادت، اور خدمت کہ روحانی ترقی اور نشوونما کے لئے جو ضروری ہے حاصل کرتے ہیں۔

د :۔ کلیسیاء پریڈ کے میدان کی طرح ہے جہاں پر کہ مسیحی شیطان سے جنگ کرنے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔

اور عبادت اور ریاضت آدمیوں اور عورتوں کو خدمت اور دوڑ دھوپ کے لئے تیار کرتی ہیں۔ جو کہ سچے مسیحی کو خدا کی بادشاہت کے پھیلانے میں اٹھانے پڑتے ہیں۔

ایسی جماعتوں اور کلیسیاؤں کی جن میں کمزور گناہگار اور کم ایمان لوگ ہوں نکتہ چینی کرنا بالکل حماقت ہے۔ کیونکہ یہ کچھ ایسا بے بنیاد اصول ہے جیسا کہ ہم ایک سکول کی جس میں کم ادنے درجے کے بچے یا ہسپتال کی جس میں مریض ہوں نکتہ چینی کریں۔

کلیسیا میں سب یکساں نہیں ہوتے۔ کوئی مضبوط ہے تو کوئی کمزور۔ مگر ہم سب کی زندگیوں کا مقصد اور مدعا یہ ہے۔ کہ ہم روز بروز فضل میں ترقی کرتے جائیں۔ اور اسی سے خداوند کی بادشاہت کی ترقی ہوتی رہے۔

چہارم:۔ کلیسیا کا مقصد یا مدعا:۔ کلیسیا کا واحد مقصد یہ ہے۔ کہ وہ خدا کی بادشاہت کی ترقی کرے خواہ وہ تبلیغ کرنے سے ہو یا بپتسمہ دینے سے۔ اور خداوند کی پاک روح کا مسکن ہر ایک کے دل میں بنا دے اور عمل کی اور ایمان کی ترغیب دے۔

الف:۔ تبلیغی مقصد:۔ ہر ایک گنہگار کو انجیل سنانا۔ اور اسے اس خوشخبری سے تبدیل کرنے کی کوشش کرنا۔ اور کلام کی امداد سے اس کو اس درجے تک لے آنا۔ کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کرے اور مسیح کے حضور میں آ جائے۔ روحوں

کو بچانا ہی کلیسیا کا مجموعی اور انفرادی طور پر مقصد ہے۔ اور جو کلیسیا اس کام سے غافل ہے وہ مردہ ہے۔ اور اپنے فرض منصبی کو پورا نہیں کر رہی۔

(ب) کلیسیا کا یہ بھی مدعا ہے۔ کہ وہ ان کو جو مسیح میں نئی زندگی حاصل کر چکے ہیں۔ ایمان میں پختہ اور مسیح کی الفت میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے۔ اور یہ صرف مسیح کو پیش کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ نہ کہ اپنی دلائل اور براہین سے۔ "کہ میں اب سے تمہارے درمیان مسیح بلکہ مسیح مصلوب کے سوا کچھ نہ جانوں گا۔" یہ پولوس کو اقیضے کے بعد تجربہ ہوا۔ اور جس کے ذریعہ سے اس نے تمام ایشیا اور یورپ میں کلیسیائیں قائم کیں۔

اس لئے مسیحی سیرت یا کیرکٹر کو بنانے کے لئے تین باتیں لازمی ہیں۔

۱۔ کلام ربانی کا مطالعہ۔ خدا کی مرضی دریافت کرنے کے لئے۔
۲۔ دعا اور عبادت۔ خدا کی مرضی اختیار کرنے کے لئے۔
۳۔ خدمت۔ خدا کی مرضی پورا کرنے کے لئے۔

(ج) کلیسیا کا آخری کام مسیحی مذہب کی اشاعت ہے۔ کیونکہ یہ ان کے خداوند کا آخری فرمان ہے۔ اب یہ فرض تب ہی پورا ہوگا۔ جب کہ ہر ایک اپنی خدمت کے حصے کو سمجھے اور اس کو محسوس کرے کہ اس کا کام روحوں کو جیتنا ہے۔ اور ہر دم اسی مقصد کے لئے مستعد رہنا ہے۔

پنجم:۔ کلیسیا میں خوشخبری کے طریقے:۔

ہم نے اوپر بالاختصار کلیسیا کے مقصد اور مدعا کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم ذیل میں ان طریقوں کا ذکر کرینگے جو وہ خوشخبری کی اشاعت میں استعمال کرتی ہے۔

۱۔ خوشخبری کی منادی کرنا۔ منادوں اور مبشروں کے لئے پروٹسٹنٹ کلیسیائیں مشہور ہیں۔ کیونکہ انہیں خادموں کے ذریعہ سے نجات کی خوشخبری پھیلی۔ انہوں نے نہ صرف اچھی فضا میں بلکہ ہر ایک مصیبت کا سامنا کرتے ہوئے اپنی جان مشکل میں ڈالتے ہوئے خوشخبری دی۔ اور لوگوں کو روح القدس سے معمور کر دیا۔ ان کی تنبیہ کی۔ حوصلہ افزائی کی۔ تسلی دی۔ اور دکھوں میں ساتھی بنے رہے۔ خدا کرے کہ ایسے مشیروں۔ منادوں اور خادموں کی آواز بند نہ ہو۔ جب تک کہ اس مسیح کا راج قائم نہ ہو جائے۔

۲۔ سبت سکول:۔ یہ ضروری امر ہے۔ کہ کلیسیا میں خدا کے کلام کی تعلیم باقاعدہ ہوتی رہے۔ اور اس کی ذمہ داری کلیسیا پر ہے۔ اسی لئے وہ اس درسگاہ کو قائم کر لیتے ہیں۔ اور ہر ایک بزرگ۔ جوان اور بچے کو تعلیم دیتے ہیں۔ مسیحی تعلیم کا حاصل کرنا ایک مسیحی کا فرض ہے۔ کیونکہ اسی درسگاہ سے ہزاروں شخصوں کی زندگیاں مسیح کے لئے جیتی گئی ہیں۔ مسیحی چال چلن مضبوط ہو گئے۔ جوانوں میں خدمت کی روح۔ بوڑھوں میں رویا دیکھنے کی طاقت اور بچوں میں حمد۔ گانے کی قدرت اسی درسگاہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس درسگاہ میں حاضر ہو کر

کلام کا مطالعہ۔ عبادت کا شوق۔ خدمت کی روح اور مسیحی چال چلن کی بنیاد ڈالی جائے۔ تاکہ آئندہ کو کلیسیا کے رُکن ہو کر خدمت کر سکیں

۴۔ کلیسیائی ضرورتوں کو رفع کرنے کے لئے متحدہ اجلاس:۔ جس طرح جسم کے لئے ضروری ہے کہ قوت کو برقرار رکھنے کے لئے کسی نہ کسی طرح کی ورزش کرے اور مضبوط رہے۔ بعینہ روحانی زندگی کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ اس کو بھی ریاضت اور عبادت اور دُعا کی ضرورت ہے۔ اسی لئے کہ وہ اس طاقت کو حاصل کر کے از سرِ نو مضبوط ہو اور خدمت کا کام انجام دے۔ اس سے نہ صرف روحانی ترقی ہوتی ہے بلکہ تمدنی اور اخلاقی زندگی بھی بڑھتی ہے۔ عبادت کو بہترین طریقے پر چلانا اور روحانیت میں بڑھنے کے متعلق بھی ایسے ہی اجلاسوں میں غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔

ششم:۔ کلیسیائی ترتیب و انتظام۔

کلیسیا کے شریک تمام مسیحی بھائی ہیں جو ایک برادری سے منسوب ہیں۔ متی ۲۳: ۸-۱۰ اسی برادری کے اصول پر کلیسیائی حکومت مشترکہ ہونی چاہیئے۔ تاکہ ہر ایک شریک کو خدمت کا موقع ملے۔ ایسی برادرانہ سمجھوتے کی حکومت ہمیشہ محبت پر مبنی رہتی ہے نہ کہ انفرادی خود مختار حکومت۔ حقیقی معنوں میں کلیسیا کے خادم یا حاکم اس کے پاسبان ہیں۔ اور باقی ممبران اس کے سرپرست انتظام۔ کیونکہ خدا نے ہر ایک کو نعمت دی اور اس نعمت کا استعمال کلیسیائی ترقی کے لئے لازمی ہے۔ جیسے کہ ایک حقیقی بھائی اپنے دوسرے

ہے۔ اُن کی بھلائی بہبودی کے متعلق سوچتا اور عمل کرتا رہتا ہے۔ ایسے ہی کلیسیا کے ہر ایک شریک کا بھی فرض ہے۔

پاسبانوں کے بعد جن کی خدمت، نفضل ہے۔ اور جن کا کلیسیا پر کُلّی اختیار ہے۔ ڈیکنوں، استادوں، مناروں کا عہدہ ہے جو رات دن کلیسیا کی بہتری کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اور یہ سب فکر کلیسیا کی روحانی حالت کو بڑھانے کے لئے فکرمند رہتے ہیں۔

مگر ڈیکنوں اور ایلڈروں کا کام یہ ہے۔ کہ وہ انتظامی طور پر پاسبان کا ہاتھ بٹائیں۔ اور ہدیوں اور نذرانوں کی آمد اور خروج کی نگہداشت کریں۔ یہ سب انتظام کوئی نئے انتظام نہیں۔ بلکہ پُرانی کلیسیائیں تمام اسی طریقے پر کاربند تھیں۔ کلیسیا کے سامنے بہت ہی بڑا کام ہے۔ جو اسے موجودہ زمانے میں انجام دینا ہے۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ یہ برادری اپنے آپ کو فوراً منظم کرے اور خدمت شروع کرے۔ یہ آخری زمانہ ہے۔ جب کہ لوگ خداوند یسوع مسیح کا انکار کر رہے ہیں۔ ہر ایک ملک میں بے دینی اور بدعملی شروع ہے۔ اب کلیسیا فوراً مسیح کا جھنڈا بلند کرے۔ اور لوگوں کو بچائے۔ خطرہ ہے کہ اگر یہ سست رہی تو اس طوفان کے ہمراہ بہہ نہ جائے۔ جو کہ اب بہت ہی زوروں پر ہے۔

ہفتم :-

کلیسیائی قوانین و ضوابط

ہر ایک باترتیب اور منظم جماعت کو قوانین کی ضرورت رہا کرتی ہے۔ جس کے وسیلے سے وہ اپنے فیصلے کر سکیں۔ مذہبی یا رُوحانی

زندگی کے لئے معیار تو عوام مقدس ہے۔ پر تمدنی زندگی کے لئے معیار ضروری ہے۔ ورنہ یہ دوڑ دھوپ بیکار اور بے سود ہوگی۔ پولوس فرماتا ہے۔ "نشان کی طرف دوڑا ہوا جاتا ہوں"۔

نیز اس معیار کے مطابق جو کلام نے ہمارے سامنے رکھا ہے جماعتی یا تمدنی طور پر بھی ہم کو کچھ ضوابط بنانے پڑتے ہیں۔ تاکہ جماعتی حالت کا پتہ لگ رہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کلیسیاء میں دو قسم کے گناہ پائے جاتے ہیں۔

اوّل :۔ بے دینی کا گناہ۔ بے پرواہی۔ دنیا داری۔ کام نہ کرنے میں کاہلی۔ روحانی باتوں میں سستی۔ اب ایسے بے دینی کے گناہ تعلیم سے دور ہوتے ہیں۔ لوگوں کے ہمراہ دعا کی جائے۔ اور ان کو مسیحی محبت سے جیتا جائے۔ کلیسیاء میں بہت سے ایسے گناہ ہوتے ہیں جو مسیحی تجربات میں نابالغی کی وجہ سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور بقول پولوس رسول روحانی باتوں میں بچے رہتے ہیں۔

دوئم :۔ بدکاری کا گناہ۔ جب کلیسیاء کا کوئی شریک بدکاری یا برائی کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو وہ ساری کلیسیاء کو بدنام کرتا ہے۔ اور دیگر جماعتوں اور سوسائیٹیوں کے روبرو کلیسیاء اپنا وقار کھو بیٹھتی ہے۔ اب ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے کلیسیائی قواعد و ضوابط کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ورنہ ایسا نہ کرنے سے بدکاری بڑھتی ہے۔ اور بدوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

ان حالات کے زیر اثر کلیسیاء اپنی پاکیزگی اور راستبازی کو برقرار رکھنے۔ اور ایسے لوگوں کی تعلیم و تلقین کرے تاکہ وہ اپنے

گناہ کو پہچان کر توبہ کریں اور اس سے باز آئیں۔ اور اگر ضرورت ہو تو سزا دیں۔ تاکہ اصلی زندگی بربادی سے محفوظ رہے۔

اگر کوئی گنہگار توبہ کرتا ہے۔ تو کلیسیا اس کو معاف کرے اور دوبارہ خوشی سے اس کو شامل کرے۔ کیونکہ اگر ہم ایک دوسرے کے گناہ معاف کرتے ہیں تو ہمارا آسمانی باپ بھی ہم کو معاف کرتا ہے۔ اور جس طرح سے ایک گنہگار کے توبہ کرنے سے آسمان پر خوشی ہوتی ہے اور شادیانے بجتے ہیں اسی طرح سے کلیسیا میں بھی خوشی کا اظہار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کلیسیا جو کچھ بھی خدا کے نام و جلال کے لئے کرتی ہے وہ اسے پسندیدہ ہوتا ہے۔

نیز اگر گنہگار اپنے قصور کا اقرار و اعتراف نہیں کرتا۔ تو کلیسیا کو صبر اور استقلال کو استعمال کرنا چاہیئے۔ ایسے اشخاص کے لئے کلیسیا ایک شفاخانہ ہو۔ کہ جس میں ہر ایک ڈاکٹر۔ کمپونڈر۔ نرس وغیرہ اپنا دانائی۔ خردمندی۔ صبر و محبت سے اس کا علاج کریں۔ اور اس کو بچانے کی کوشش کریں۔ اور اگر وہ دیکھتے ہیں کہ اس کا مرض لاعلاج ہے۔ مگر بچنے کی امید ضرور ہے۔ تو اس کو علیحدہ کر دیں۔ مگر اپنی ذمہ داری سے جو کہ وہ اس کے متعلق رکھتی ہے فراموشی اختیار نہ کرے۔ اور اگر پھر بھی مایوسی ہی نظر آتی ہے۔ تو اسے خارج کر دینا ضروری ہے۔ یہ آخری اور بے امید کر دینے والا قدم ہے۔ جو کلیسیا اٹھاتی ہے۔ اور وہ اس کے ساتھ ایسا اس لئے کرتی ہے کہ اس نے زندہ خدا کے بیٹے کو اپنی زندگی اور عمل سے علانیہ ذلیل کیا ہے۔ جو کلیسیا جو اس کا بدن ہے

برداشت نہیں کر سکتی۔

اس لئے کلیسیاء کی فرمانبرداری سے مطلب ہے :-

۱- کلیسیاء اور اس کے مقصد و انجام پر۔ اس کی بیرت اور الٰہی قدرت و خدمت کی روح پر ایمان رکھنا۔ اور اس کے سر یا سردار مسیح پر اپنی جان تک کو قربان کرنا۔ اس کی تابعداری اور فرمانبرداری کرنا۔

۲- کلیسیاء سے اس لئے محبت رکھنا۔ کیونکہ وہ ہر ایک اچھی۔ خوبصورت اور ایمان بڑھانیوالی باتوں کو پیش کرتی ہے۔ اور سب سے افضل یہ ہے کہ وہ مسیح کا اظہار کرتی ہے۔

۳- خدمت اور قربانی اس لئے کہ اس کو ہماری مالی امداد کی ضرورت ہے۔ ہمارے وقت کی، ہماری طاقت اور لیاقت کی ازحد ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم خدا کی بادشاہت کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ ہم ایمانداروں کی جماعت کے ساتھ کلیہ طور پر شراکت حاصل نہیں کرتے۔ اور کلیسیاء تمام کام کی نگرانی کرتی ہے۔ اور اسی سے خدا کی بادشاہت کی اشاعت میں ترقی ہوتی ہے۔

آٹھواں باب

رُوح القدس کے متعلق تعلیم

تمہیدی بیان:۔ یونانی زبان میں رُوح القدس کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں سے ایک لفظ بہت ہی پُر مطلب اور پُر معانی ہے۔ اور خداوند مسیح نے جو وعدہ کیا تھا۔ کہ میں تم کو جلد تسلی دینے والا بھیجوں گا وہ بھی اسی لفظ سے آشکارا ہوتا ہے۔ وہ لفظ ہے۔ (παρακλητος) تسلی دینے والا یا سچائی کا رُوح۔ دیکھو یوحنا ۱۴:۲۶ و ۱۶:۷-۱۶۔

رُوح القدس حقیقت میں ہر ایک مسیحی کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اور جو مسیحی ہے۔ اس کو اس کا تجربہ حاصل کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ قوت ہے۔ وہ بقا کی طاقت ہے۔ وہ مددگار ہے۔ وہ تسلی دینے والا ہے۔ وہ کاملیت کا رُوح ہے۔ وہ توبہ کی ترغیب دیتا ہے۔ اور وہی پاکیزگی دیتا ہے۔ بجز رُوح القدس کی موجودگی کے مسیحی جماعت یا فردِ حقیقت کے معانی سے مستفید نہیں ہوسکتا۔ بدیں وجہ ہم اس کو کلیسیاء کے بعد ذکر کر رہے ہیں۔ کیونکہ رُوح القدس اور کلیسیاء دونوں لازم ملزوم ہیں۔ رُوح القدس ایک مسیحی کے عملی پہلو سے متعلق ہے۔ مگر کلیسیا میں اس کی موجودگی مثل نور کے ہے۔ کلام مقدس میں رُوح القدس مختلف معانی میں استعمال

ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی تعریف کرنا مشکل ہے۔ مثلاً پاکیزگی کا رُوح، ایمان کا رُوح۔ تبنی کا رُوح۔ دانائی اور خردمندی کا رُوح حلیمی کا رُوح۔ مکاشفہ کا رُوح۔ زندگی کا رُوح۔ قدرت وغیرہ کا رُوح۔ اور اس کے علاوہ خدا کا رُوح۔ مسیح کا رُوح اور رُوح القدس۔ ہم سب اس بات کے گواہ ہیں۔ اور کلام بھی شاہد ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ مگر اُس نے اپنا اظہار باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے ذریعہ سے کیا۔ اسی لئے خدا باپ کو ہم سب چیزوں کا مبدا۔ خالق یا ممکن الوجود کہتے ہیں۔ خدا بیٹا مسیح ہیں یعنی خدا مجسم یا مسیح اس کا مظہر جس کے وسیلے سے ہم کو باپ کی خوبیوں کا پتہ چلا۔ خدا رُوح القدس ہیں۔ خدا دنیا میں موجود ہے۔ کلیسیہ میں اور ہر ایک ذی جان کی زندگی میں اسی کا نور و ظہور ہے۔

۲۔ رُوح القدس کی خاصیت:۔ رُوح القدس ایک اقنوم ہے۔ جو اپنے پاکیزہ پیار میں کلیسیا کی اور بنی نوع انسان کی زندگی کے انجام کا حکم صادر کرتا ہے۔ اسی لئے رُوح القدس ایک تشخص ہے (Person) جو عقل شعور اور ارادہ رکھتا ہے۔ دنیا اور انسانی ذہن میں اور بالخصوص کلیسیہ رجامع میں موجود ہے۔ جہاں وہ رہنمائی کرتا ہے۔ چلاتا ہے۔ اور یہ عمل اس وقت ہوتا ہے۔ جب کہ انسان اپنی شخصی مرضی اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

یوحنا کی انجیل ۱۶:۱۴ آیت اس کو تسلی دینے والا کہتی ہے۔ اس کو شافعی۔ وکیل یا مددگار قرار دیتے ہیں۔ پس یہ ظاہر ہوا۔ کہ رُوح القدس ایک نادیدنی طاقت یا قدرت یا شخصیت ہے۔ جو

ہماری امداد کرتا اور ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ اور وکیل کی طرح وہ ہماری آزمائشوں میں، زندگی کے دشوار گذار مقاموں پر۔ جیسے کہ خداوند جب کہ وہ اس دُنیا میں تھے اپنے شاگردوں کے بیچ کرتے تھے امداد کرتا ہے۔ جب خداوند آسمان پر جانے کو تھے تو انہوں نے خود فرمایا۔ کہ میں تمہارے لئے دُوسرا مددگار بھیجوں گا۔ اب یہ دوسرا مددگار رُوح القدس ہے۔ جو نادیدنی ہستی ہے۔ مگر وہ ہماری امداد کرتا ہے۔ لہٰذا رُوح القدس ہمارے درمیان زندہ خدا کی شخصی رُوح ہے۔ جو کہ ہماری کلیسیاء اور ہر ایک شخص کی زندگی کو منور کرتا اور اس میں رہ کر خُدا کا جلال ظاہر کرتا ہے۔

۳۔ رُوح القدس اور مسیح خداوند۔

رُوح کا رشتہ جب کہ خداوند مسیح سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو پھر ہم اس کو خود خدا کا تیسرا اقنوم یا خدا کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔

۱۔ خُداوند مسیح رُوح القدس کی قدرت سے بطنِ مریم میں آئے۔ لوقا ۱: ۳۵۔ متی ۱: ۱۸-۲۰۔

۲۔ رُوح القدس خداوند مسیح کے ساتھ بچپن میں تھا۔ اور خُدا کا فضل اور مقبولیت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ لوقا ۲: ۵۲۔

۳۔ مسیح کے اصطباغ کے وقت:۔ مرقس ۱: ۹-۱۲ متی ۳: ۱۳-۱۷، لوقا ۳: ۲۱-۲۲۔ نیز رُوح القدس خداوند مسیح پر آسمان سے اُترا اور یہ آواز آئی۔ کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے مَیں خوش ہوں۔ اور اس جگہ خداوند مسیح روح القدس سے بھر گئے۔

۴۔ مسیح کے متعلق یہ پیش گوئی ہو چکی تھی۔ کہ وہ لوگوں کو رُوح

القدس سے بپتسمہ دے گا۔ اور رُوح القدس کا مسکن لوگوں کے دلوں میں بنائے گا۔

۵۔ رُوح القدس مسیح کو بیابان میں لے گیا۔ تاکہ آزمایا جائے۔ مرقس ۱:۱۲-۱۳۔ اور خداوند مسیح رُوح القدس سے بھرا ہُوا گلیل کو لوٹا۔

۶۔ ناصرت کے عبادت خانے میں اُس نے یسعیاہ ۶۱ باب میں سے پڑھکر سامعین کو سُنایا۔ "خداوند کا رُوح مجھ پر ہے"۔ اور فرمایا کہ جو نبوت اس کے متعلق کی گئی تھی وُہ آج پُوری ہُوئی ہے۔ خدا نے اور اس کے پاک رُوح نے خداوند مسیح کو اس بڑے کام کے لئے جو وُہ انجام دینے کو دنیا میں آیا تھا ممسوح کیا۔ لوقا ۴:۱۹

۷۔ خداوند مسیح نے بہت سے عجیب کام کئے۔ اور اس نے اس بات کا دعویٰ کیا۔ کہ وُہ رُوح القدس کی قدرت سے بدرُوحوں کو نکالتا ہے۔ متی ۱۲:۲۸۔

۸۔ خداوند مسیح اس گھڑی خوشی میں رُوح القدس سے بھر گیا اور شکر گذاری کی دُعا خداوند کے حضور کی۔ لوقا ۱۰:۲۱۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ کس قدر خداوند کی زندگی رُوح القدس سے معمور زندگی تھی۔ اور اسی کے اختیار سے وُہ سب کام کرتا تھا۔

۹۔ خدا نے خداوند مسیح کو رُوح القدس اور قدرت سے مخصوص کیا۔ اعمال ۱۰:۳۸۔

۱۰۔ رُوح القدس خداوند مسیح کی زندگی کے ہر پہلو میں اس کی ہدایت اور رہنمائی کرتا تھا۔ عبرانی ۹:۱۴۔

۱۱۔ اس نے اپنے جی اُٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں پر یہ کہکر پھونکا۔ اور ان سے کہا۔ کہ رُوح اُلقدس لو۔ یوحنا ۲۰: ۲۲۔

۱۲۔ اس نے اپنے شاگردوں کو سب سے بڑا اور آخری حُکم جو دیا تھا وُہ یہ تھا:۔ کہ اس بلئے تُم جا کر ساری قوموں کو شاگرد بناؤ۔ اور انہیں باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام پر بپتسمہ دو۔ متی ۲۸: ۱۹

مندرجہ بالا آیات سے جن کا ہم نے بالاختصار ذکر کیا ہے۔ مترشح ہوتا ہے کہ رُوح اُلقدس بالعموم خداوند کا ہر وقت اور ہر موقع پر ساتھی رہا ہے۔ اور اسی کے ذریعے اور امداد سے اس نے دنیا کے سامنے عجائب کام کئے۔

چہارم :۔ رُوح القدس اور شاگرد۔

۱۔ خداوند مسیح نے اپنے شاگردوں سے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ تُم رُوح القدس سے قوت پاؤ گے۔ لہٰذا وُہ اُن پر نازل ہُوا۔ اعمال ۱: ۸۔

۲۔ پینکوست کے دِن رسولوں پر رُوح اُلقدس نازل ہُوا۔ اور اس سے دُنیا میں ایک بیداری اور تبدیلی واقع ہُوئی۔ کیونکہ رُوح القدس کی نادیدنی طاقت اور قدرت کا کلیسیاء کی ترقی اور بہتری کے لئے احساس کیا گیا۔ اور آئندہ وعدے اور امیدیں اس کے ذریعہ سے وابستہ ہُوئیں۔ اعمال ۲: ۱-۴ و ۳۲۔

۳۔ نبوت کرنے کی رُوح کلیسیاء میں آئی۔ اور اس کا اظہار دُنیا پر ہُوا۔ اور اس نبوت کی جو یوئیل ۲: ۲۸ آیت میں کی گئی تھی تکمیل ہُوئی۔ اور یہ سب رُوح القدس ہی کے زیر اثر ہُوا۔ "میں اپنی رُوح تُم پر نازل کروں گا اور تمہارے بیٹے اور بیٹیاں نبوت

کریں گی وغیرہ۔

۴۔ پطرس نے اپنے وعظ میں جو اعمال ۲: ۳۸ میں ذکر ہے۔ دلیری سے یوں بیان کیا۔ "توبہ کرو اور تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے تو تم روح القدس انعام میں پاؤ گے"۔

اور اب یہی ایک سنہرا پیغام ہے جو کلیسیاء دنیا کو دیتی ہے۔ سب روح القدس کا انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ پہلے ایمان، پھر توبہ اور بعد میں بپتسمہ حاصل کریں۔

۵۔ پطرس روح القدس سے معمور ہو گیا۔ اور اس نے دلیری سے خداوند مسیح کی خوشخبری کی منادی کی۔ اور یہ روح القدس ہی کی قدرت تھی۔ کہ وہ متلون مزاج۔ جلد باز اور ڈرپوک پطرس شیر دل اور پتھر بن جاتا ہے۔ اعمال ۴: ۸۔ ۳۱۔

۶۔ اور جب کلیسیاء کو مددگاروں کی ضرورت تھی۔ تو انہوں نے ان لوگوں کو چن لیا جو روح القدس سے معمور تھے۔ اور انہوں نے جب ان سات اشخاص کو جن میں یہ خوبی تھی چن لیا۔ تو انہوں نے کلیسیاء کی خدمت بہت ہی اعلے پیمانے پر کی۔ اعمال ۶: ۳۔ ۵۔

۷۔ فلپس کے نو مریدنے روح القدس حاصل کیا۔ اعمال ۸: ۱۵۔ ۱۷۔ فلپس روح القدس سے ہدایت کیا گیا۔ اعمال ۸: ۲۹۔ ۳۹۔

۸۔ پولوس نے دوبارہ نور حاصل کیا۔ اور وہ محض روح القدس کی قدرت سے ہوا۔ اعمال ۹: ۱۷۔ ۱۸۔

۹- اور رُوح اُلقدس کی قدرت سے کلیسا، دن بدن بڑھتی گئی۔ اعمال ۹ : ۳۱۔

۱۰- کرنیلیس اور اس کا خاندان جو کہ غیر قوم تھے۔ انہوں نے بھی رُوح القدس کی بخشش کو حاصل کیا۔ اور بپتسمہ پایا۔ اعمال ۱۰ : ۴۴

۱۱- اور یروشلم کا جلسہ محض اس لئے فراہم ہُوا تھا۔ کہ وُہ اس امر کا فیصلہ کریں۔ جو کہ غیر اقوام میں رسولوں کو خدمت کرتے وقت پیش آیا تھا۔ اب اس اہم معاملے کو طے کرنے کے لئے انہوں نے رُوح القدس سے ہدایت حاصل کی۔ اعمال ۱۵ : ۲۸۔

۱۲- مشنری کام کی ابتداء رہنمائی اور برکت رُوح القدس ہی کے ذریعہ سے ہُوئی۔ اعمال ۱۳ : ۴ - ۵۲ - ۱۶ : ۶ + ۱۹ : ۲ تک

۱۳- تکلیف اور آزمائش کے وقت رُوح القدس تسلی دینے والا اور مددگار بھی ہے۔ مرقس ۱۳ : ۱۱۔

پنجم :- رُوح القدس کلیسیا میں :-

اس بات کا پہلے بھی ہم نے اظہار کیا ہے۔ کہ مسیحی زندگی رُوحانی زندگی ہے۔ اسی لئے کلیسیاء کا کام ہے۔ کہ وُہ رُوح القدس کی ہدایت سے چلے۔ کیونکہ رُوح القدس ہی کی طرف سے کلیسیا کو انعام میں ملی ہے۔ ۱ کرنتھی ۱۲ :۔ اس میں پولوس یہ بتاتا ہے کہ پاک رُوح نے کلیسیاء میں طرح طرح کی نعمتیں بخشی ہیں۔ "نعمتیں تو طرح طرح کی ہیں۔ مگر رُوح ایک ہی ہے" ۱ کرنتھی ۱۲ : ۴ کلیسیا کو ان سب کی ضرورت ہے۔ اور ہر ایک نعمت جو کہ کسی شخص کو ملی ہے وُہ اس کا جائز استعمال کرے۔ کیونکہ رُوح القدس نے

اسے یہ بخشش محض خداوند کے جلال ہی کے لئے بخشی ہے۔
روح کے انعام جو کہ کلیسیاء میں موجود ہیں اور جن کا ذکر اکرنتی ۱۲ باب ۸-۱۰ آیت و ۲۹ میں ہے ان میں سے چند یہ ہیں:۔
"کیونکہ ایک کو روح کے وسیلے سے حکمت کا کلام عنایت ہوتا ہے اور دوسرے کو اسی روح کی مرضی کے مطابق علمیت کا کلام اور کسی کو اسی روح سے ایمان اور کسی کو شفا بخشنے کی توفیق۔ کسی کو معجزے دکھانے کی، کسی کو نبوت۔ کسی کو روحوں کی امتیاز کسی کو طرح طرح کی زبانیں۔ کسی کو زبانوں کا ترجمہ۔ رسول نبی۔ استاد۔ معجزے دکھانے والے۔ شفا دینے والے۔ مددگار، منتظم طرح طرح کی زبانیں بولنے والے"۔
رومی ۱۲ باب میں پولس قربانی کا ذکر بھی کرتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ یہ بھی انعام ہے۔ اور سب سے افضل انعام کا وہ اکرنتی ۱۳ باب میں ذکر کرتا ہے۔ اور اس کو "محبت" کے افضل نام سے نامزد کرتا ہے۔ اور جس کا حصول سب مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے لئے لازمی ہے۔ قدرتیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں دینے میں بہت ہی طاقت رکھتی ہیں بشرطیکہ وہ روح القدس کی ہدایت اور خدا کے جلال کے لئے استعمال ہوں۔
اسی لئے ضروری ہے۔ کہ کلیسیاء کا پاسبان اور لیڈران بلکہ ہر ایک شریک بھی پاک روح سے معمور اور ملبس ہو۔ تاکہ کلیسیائی خدمت روح اور راستی سے ہو۔

ششم :- رُوح القدس اور شخصی ضرورت ۔

ہم نے اُوپر بیان کیا۔ کہ رُوح القدس تسلی دینے والا اور مددگار ہے ۔ یہی وصف ہمارے خداوند مسیح بھی رکھتے ہیں۔ وُہ جس سے ملتے اس کے یار و مددگار ثابت ہوتے ۔ دوستی اور محبت ہر ایک کے لئے آپ کی زندگی کا فرضِ اولیں تھا ۔ مگر وُہ حالت آپ کی محدُود حالت تھی ۔ یعنی ایک وقت میں ایک ہی جگہ پر آپ کا قیام ہُوا کرتا تھا ۔ جیسے کہ جب آپ ناصرت میں ہوتے تو یروشلم میں آپ کا ہونا ناممکن ہوتا ۔ اسی دِقت کو مدِنظر رکھتے ہُوئے ان کا جانا ضرُوری تھا تاکہ دوسرا مددگار یعنی رُوح القدس آجائے ۔ جو کہ مقامی اور زمانی قید سے مستثنےٰ ہو ۔ اور اپنی امداد اور حضوری سے ایک ہی وقت میں تمام روئے زمین کو معمور اور مسرُور کر سکے ۔

کتابِ مقدس میں ہم نے دیکھا کہ لوگ اپنی جسمانی آنکھوں سے رُوح القدس کو دیکھا کرتے تھے ۔ مگر فی زمانہ ہم اسے اسی وقت دیکھ سکتے ہیں جب کہ اپنی روحانی آنکھوں کو وا کریں ۔ اور ہم اس کے داخلہ کا احساس بھی اسی وقت کر سکتے ہیں جب کہ اس کو نہ بجھائیں ۔ کیونکہ حقیقی تبدیلی اگر کسی شخص میں ممکن ہے ۔ تو وُہ رُوح القدس ہی کے وسیلے سے ہے ۔ اسی کی قدرت اور طاقت سے یہ ہو سکتا ہے ۔ اِس لئے کہ اِنسان بذاتِ خود اس کا نااہل ہے ۔

۱ ۔ وُہ ہم کو ہر ایک سچائی کی طرف ہدایت دیتا ہے ۔

۲ ۔ وُہ ہماری آزمائشوں میں مدد کرتا ہے تاکہ ہم ان پر غالب آئیں ۔

۳۔ وہ ہماری اعمالِ حسنہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۴۔ وہ ہم کو صلح اور سلامتی کی خوشی عطا کرتا ہے۔

۵۔ وہ ہمارے لئے فضل کے بھیدوں کو کھولتا ہے۔

۶۔ اور دشمن کے فریب سے بچاتا اور ہم کو تسلی دیتا اور ہماری وکالت کرتا ہے۔

۷۔ وہ ہم کو خدا کا جلال ظاہر کرنے کا وسیلہ بناتا ہے۔

۸۔ وہ ہماری زندگیوں کی تقدیس کرتا ہے۔

ہفتم:۔ رُوح کے پھل۔

گلتی ۵:۲۲ میں روح کے پھل ظاہر ہیں۔ محبت۔ خوشی۔ سلامتی۔ خیرخواہی۔ صبر۔ نیکی۔ فروتنی۔ ایمانداری۔ پرہیزگاری۔

اب ہم کس طرح معلوم کرسکتے ہیں کہ ہم میں رُوح القدس کے پھل ہیں یا نہیں۔ اس کا طریقہ کلام یُوں بیان کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اگر رُوح کے پھل ہیں تو وہ ظاہر ہونگے۔ کیونکہ یہ رُوح القدس کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہی ہم کو محبت کرنے کی طاقت۔ اور ایسی خوشی دیتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ اور ایسی سلامتی جو عقل سے بعید ہے۔ اور صبر جو خدا کا ہے۔ خیرخواہی مسیح کی۔ نیکی باپ کی۔ فروتنی خداوند مسیح کی۔ اسی لئے کہ پولوس میں بھی فروتنی اور ایمانداری کی انتہا تھی۔ بدیں وجہ اس نے ہر ایک شخص پر قابو پایا۔ اور پرہیزگاری اور خود مختاری کی عمل داری میں ہو کر اس نے مکمل فتح حاصل کی۔ اور اب ایسی مبارک اور پاک زندگی پاک روح کی طرف

ہے محض ان ہی کو ملتی ہے جو اس کی امداد اور رہنمائی کے لئے صدا بلند کرتے ہیں۔

اب اختصاراً ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ رُوح القدس عہدِ عتیق میں خالق کی صورت میں ظاہر ہُوا۔ اور پھر اس کو زندگی بخشنے والی طاقت بھی کہا گیا۔ اور اس جگہ بھی اس کو بہت سے نام دیئے ہیں۔ پر بالخصوص اسے "یہوواہ کی رُوح کہا گیا"۔ یوحنا کی انجیل کے بہت حصے میں وہ پھر اس نام سے (یعنی زندگی دینے والی طاقت) ظاہر کیا گیا ہے۔ یا اسے نئی زندگی یا پیدائش کی قدرت یا طاقت کہتے ہیں۔ نئے عہد نامے میں یہ ذکر ہے کہ خداوند یسوع مسیح رُوح القدس کی قدرت سے مریم صدیقہ کے بطن میں آئے۔ وہ رُوح سے معمور تھے۔ اور ان کی ساری زندگی رُوح القدس کی ہی رہنمائی میں بسر ہوئی۔ نیز یہ رُوح القدس ہی کا کام تھا۔ کہ اس نے کلیسیاء اور بشارتی کام کو مضبوط کیا۔ رسولی خدمت کو کامیاب اور مضبوط بنا کر ان کی ہمت افزائی کی۔ اور اسی سے کلیسیاء میں ہر ایک نعمت اور برکت ملی۔ اور عبادتی طریقوں میں ہدائیت ملی۔ رُوح القدس ہی اپنی موجودگی سے ہر ایک انسان کی زندگی کو باثمر اور قابلِ رہائش بناتی ہے اور اس زندگی بخش رُوح کے بغیر ابدی زندگی ناممکن ہے۔ رُوح القدس دنیا کے ہر ایک بشر میں اور بالخصوص کلیسیاء جامع میں ہو کر خدا کا اظہار کرتا ہے۔ اور باپ اور بیٹے کی تمام خوبیاں اور صفات محض اسی مظہر میں ہیں۔ جو دُنیا میں

لامحدودیت کے طور پر سمایا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمارا مددگار اور رہنما ہے۔ وہ زندگی۔ سچائی اور محبت کا روح ہے۔ اسی لئے خداوند نے فرمایا ہے۔ دیکھو یوحنا ۲۰: ۲۲ "تم روح القدس پاؤ"۔

نواں باب

ایمان کی تعلیم

تمہید

اوّل :۔ ایمان کی تعلیم مسیحی زندگی کے لئے مبتدی تعلیم متصور کی جاتی ہے۔ پولوس اس کے متعلق فرماتا ہے۔ پس ایمان امید اور محبت یہ تینوں دائمی ہیں۔ اور یہ بھی یقینی بات ہے۔ کہ ہم کو نجات بھی ایمان ہی کے وسیلے سے ملی ہے۔ اور ایمان ہی کے وسیلے سے تکلیف اور مصیبت میں صبر اور برداشت اور آخر میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ایمان ہی کے ذریعہ سے اعجاز ہوئے۔ رسول و پیغمبر ہدایت دیئے گئے۔ غرضیکہ الٰہی انتظامات کا انحصار بالخصوص ایمان پر ہی ہے۔ جیسے کہ عبرانی ۱۱:۶ میں آیا ہے۔ "کہ بغیر ایمان کے اس کو پسند آنا ناممکن ہے"۔ لہٰذا ہم اس باب میں ایمان کا بالاختصار ذکر کریں گے۔

دوم :۔ ایمان کی تعریف۔

"اب ایمان امید کی ہوئی چیزوں کا اعتماد اور اندیکھی چیزوں کا ثبوت ہے۔ عبرانی ۱:۱۱۔ نفسیاتی طریقے سے اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ تو یہ بات ظاہر ہو جائیگی۔ کہ حقیقی بچانے والا اور

بخی مسیح پر ہمارا بھروسہ قائم کرنے والا۔ ایمان ہی ہمارے مذہب کی اصلی بنیاد ہے۔ کیونکہ وہی ہمارے سارے بدن۔ جان اور روح پر قابض اور مسلط ہو کر ہماری زندگی کو کامیاب بناتا ہے۔

عقل وشعور۔ احساس اور ارادہ ہمارے دماغ کی تین حیثیتیں ہیں۔ لہٰذا ایمان ان تینوں پر قابض ہو کر ان میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ ایمان کو بھروسہ یا اعتقاد یا تابعداری بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ ایمان بالیقین۔ مرقس ۱۶:۱۶۔ "جو ایمان لائے اور بپتسمہ پائے وہ نجات پائیگا"۔ کلام میں ایک دو اور جگہ لفظ یقین کا بھی استعمال ہوا ہے۔ مگر ایمان اس سے کہیں بڑھکر انسانی حالت اور اس کی معانی کا اظہار کرتا ہے۔ یقین ایک دماغی حالت کا نام ہے۔ جیسے ایک شخص ہزاروں باتوں کے متعلق یقین رکھتا ہو۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایمان ان میں سے ایک پر بھی نہ رکھے۔ مثلاً بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو الٰہی مسائل پر۔ خدا کی ہستی پر۔ مسیح کی زندگی پر۔ کلیسیا کی موجودگی پر یقین تو ضرور رکھتے ہیں مگر ایمان نہیں۔ پر یہ ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ ایمان کی پہلی منزل یقین ہے۔ کیونکہ جب میرا یہ یقین ہے۔ کہ خدا نامے کوئی ہستی ہے۔ جو سب کچھ کر سکتی ہے۔ سب پر حاکم ہے۔ اس کی یہ خوبیاں ہیں۔ تب ہی میں اس پر یا اس کے وجود پر ایمان لا سکتا ہوں۔ اور یہ بھی ہے کہ جب تک ہم کسی شے کی قدر و وقعت کو نہ جان لیں نا ممکن ہے۔ کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ مثلاً ہم خدا پر۔ کلیسیاء عالمگیر پر اور اس کی صداقت پر۔ اس کی

قدرت ۔ نیکی ۔ بھلائی وغیرہ وغیرہ پر یقین رکھتے ہیں ۔ لہذا یہ ذہنی یا دماغی یقین ہمارے ایمان کی بنا ثابت ہوتا ہے ۔ کسی بات یا ہستی کے وجود کے اوپر ایمان رکھنے سے قبل لابدی ہے ۔ کہ انسانی عقل کی طرف اپیل کی جائے ۔ اور یہ اظہار کیا جائے ۔ کہ یہ بات اچھی اور لائق اور پسندیدہ ہے ۔ اور اگر عقل اور قوت اور ادراک اس خاص چیز کی طرف راغب یا متوجہ ہو جائے تو ہم پھر اس کے آگے ترقی کر سکتے ہیں ۔

۲۔ اعتقاد اور محبت :۔ اب ایمان کا ایک اور پہلو بھی ہے ۔ جس کو اعتقاد کہتے ہیں ۔ اور ایمان میں اعتقاد لازمی ہے ۔ اور اس کی وجہ سے ہر ایک شک اور شبہ دور ہو جاتا ہے ۔ اور دماغ میں اطمینان آجاتا ہے ۔ جو کہ کسی خوف و ہراس کی وجہ سے نہیں آتا ۔ کیونکہ جب ایمان مضبوط ہوتا ہے ۔ تو کوئی چیز بھی ہمارے دل کے خیالات و تصورات کو دھندلا نہیں بنا سکتی ۔ اور اعتقاد اور اعتماد ہمارے ایمان کو نتیجہ مند اور کامیاب ایمان بنا دیتے ہیں ۔ ایمان اور محبت ہر وقت ہمراہ ہیں ۔ کیونکہ جس ہستی سے ہم کو محبت نہیں ۔ اس پر ہمارا ایمان نہیں ہوتا ۔ اور نہ ہی بغیر محبت کے حقیقی ایمان ظاہر ہوتا ہے ۔ اسی لیے اعتماد اور محبت کا احساس ایمان کے ساتھ نفسیاتی طریقے سے بندھا ہے جیسے ہم ذیل میں بیان کرینگے ۔

۳۔ تابعداری :۔ یعقوب ۲ : ۱۷ ۔ ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا میں ایمان کے متعلق کسی قسم کا غلط خیال

رائج تھا۔ کیونکہ وُہ ایمان جو فتحمند اور مخلصی دینے والا ہے محض یقین کے درجے سے افضل اور بالا ہے۔ یقین محض ایک اضطرابی حالت ہے۔ اور اس کا یہ معاملہ ہے۔ جیسے کہ کلام فرماتا ہے "کہ ہم سلامتی سلامتی پکارتے ہیں جبکہ سلامتی ہے ہی نہیں"۔ اس لئے ایمان جس کے پشت پر ارادہ نہیں وُہ ایمان نہیں۔ یا ایسا ایمان ہے جسے یعقوب رسول مردہ ایمان کہتا ہے۔ ایمان میں ارادے کا مخفی ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ جس کی وجہ سے عمل تابعداری۔ اطاعت اور خدمت کا عنصر ابھرا ہوا معلوم ہونے لگتا ہے۔

مسیح پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری درست اور مستحکم طریقے سے عمل میں آئے۔ اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کہ انسان اپنی مرضی کو ترک کردے۔ بلکہ اس کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ اور اچھے طریقے سے راہ اور حق اور زندگی کا تلاشی بنے۔ پر مسیح کو چن لینا۔ اور اس کی اطاعت کرنا ہی فرمانبرداری ہے۔ اور اسی کو بالفاظ دیگر خدمت کہتے ہیں۔ لہٰذا حقیقی اور مخلصی دینے والا ایمان دماغ۔ جان اور رُوح کا ایک عمل ہے جس سے ہم یقینی طور پر مسیح پر بھروسہ اور اس کی تابعداری میں جان نثاری دکھا سکتے ہیں۔

سوم :- ایمان از رُوئے اطاعت یا فرمانبرداری :-

ایمان کی ایک اور بھی تعریف کی جاتی ہے۔ اور اس کو فرمانبرداری یا اطاعت کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ ایک مسیحی جس

بات کے لئے پیدا ہوتا۔ یا زندگی گزارنا یا خدمت کرنا ہے۔ وہ آسمان
کی بادشاہت ہے۔ اور ہر ایک چیز جو اس کی مددگار ہے وہ محض
ایک وسیلہ ہے۔ جس سے ہم اس ایک مقصد کے حاصل کرنے کے
لئے قدم بڑھائے جاتے ہیں۔ زندگی کا ہر ایک کام جو ہمارے
سپرد کیا گیا ہے۔ محض وسیلہ ہے اس انجام یا حقیقت کو
حاصل کرنے کا۔

اب اس امر میں اطاعت کرنے کے متعلق مندرجہ ذیل امور
لازم ہیں۔

۱۔ یقین :۔ ہمارا یقین ہے۔ کہ یہ کام افضل ترین ہے۔ حقیقی
ہے۔ اور زندگی کا بہترین شعار ہے۔

۲۔ مرغوبیت :۔ کہ خدا اس کو بہت ہی پسند کرتا ہے۔ اس لئے
انسان کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ اس کو اپنی ساری جان۔
اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے پیار کرے۔ اور اپنی
زندگی کے ہر ایک مشغلے اور طریقے سے اس کو افضل سمجھے۔ اور
اسے سب سے پہلے کرے۔ کیونکہ یہ خدا کا حکم ہے۔

۳۔ خدمت :۔ وہ اس کی خدمت اس لئے کرتا ہے کہ وہ
اس سے محبت رکھتا ہے۔ اور اپنے وقت، روپیہ۔ طاقت اور
لیاقت کو اس پر وقف کر دیتا ہے۔ لہذا اسی اطاعت کا دوسرا
نام ایمان ہے۔ اور اسی قسم کا ایمان جب ہم مسیح پر رکھتے ہیں
تو وہ ہم کو بچاتا ہے۔

چہارم :۔ ایمان خالق بھی ہے :۔ ایمان کوئی جادو نہیں۔

جو خدا پر کیا جاتا ہو۔ بلکہ وہ خداوند یسوع مسیح میں ایک طاقت ہے۔ جس کی موجودگی میں انسان کسی کام کے کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ دیکھو عبرانی گیارہ باب۔ ایمان ہی کے وسیلے سے ایسی ایسی باتیں ہوئیں جن کے صدور کا امکان انسانی طاقت سے بعید تھا۔ کیونکہ ہابل۔ حنوک۔ نوح۔ ابراہام۔ اضحاق۔ یعقوب۔ یوسف۔ موسےٰ اور جدعون وغیرہ نے جو جو اعجاز یا فوق الفطرت کام کئے ہیں کسی شعبدہ بازی کے ذریعے سے نہیں کئے۔ بلکہ ایمان ہی کے وسیلے سے یہ سب کچھ ہوا۔ اسی لئے ایمان انسان کی جرأت اور طاقت ہے۔ اور اگر ذرا آگے بڑھیں۔ تو اسے اطاعت بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ روح القدس کی طاقت ہی انسان کے اندر ایمان کو پیدا کرتی اور اس کا اظہار کرتی ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ خداوند مسیح نے وہاں شفا ہی نہیں بخشی جس جگہ اس کو ایمان نظر نہ آیا۔ یعنی اس گھر میں: انسان میں با حالات ہی خدا سے الحاق کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ خدا اپنے فضل اور محبت کو زبردستی سے کسی پر نہیں ڈالتا۔ کیونکہ یہ عمل دوطرفہ ہے۔ لہذا انسان کا خدا کے ہمراہ خدمت کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ تاکہ دونوں کی محنتوں سے آسمان کی بادشاہت کی ترقی ہو۔

اب ایمان خالق کیوں کہلاتا ہے:۔

۱۔ جب کسی شخص میں ایمان اس درجے تک ترقی کر چکا ہے تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

۲۔ اس کے دل میں ایمان ہے۔ یا اسے ایمان سے اُنسیت ہے لہٰذا وُہ غیر ممکن کو ممکن کر سکتا ہے۔

۳۔ اور جب وُہ اس حد تک ترقی کر جاتا ہے۔ تو اس کے لئے کسی چیز کا حصول غیر ممکن نہیں ہوتا۔

۴۔ اب اس شخص نے ایمان کو محض ایمان ہی کے ذریعہ سے پایا۔ اس کی زندگی میں جو محض یقین تھا۔ جو ایمان میں تبدیل ہو کر اچنبے کرنے لگا۔ مثال کے طور پر رسُولوں کی زندگی لو۔

ایک جماعت کا متفقہ ایمان ہے۔ کہ وُہ ایک خادم یا پاسبان کے مسیحی خدمت کے اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور وُہ اس بنا پر سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ کہ ان کو ممکنات پر یقین ہے۔ اور ان روحوں کے ساتھ الفت ہے جن کو کلام کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ اور ایمان کے ذریعہ سے وُہ ان کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی ایمان کو عامل ایمان کہتے ہیں۔ جو ہم کو خُدا ترسی اور خدا پرستی کے کاموں کی ہدائت کر کے الہٰی بادشاہت میں لاتا اور بڑھاتا ہے۔

"تیرے اعتقاد کے مطابق تیرے لئے ہو" متی ۹: ۲۹۔

کلامِ مقدس میں یہ آیت سب سے بڑی ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی کسی انسان کے لئے ہُوا کرتا ہے۔ وُہ اس کے ایمان ہی سے ہُوا کرتا ہے۔ مثلاً "شکر خور کو خُدا ضرور شکر دیتا ہے۔" اب ہم خدا سے یہ دُعا مانگیں۔ کہ خُدا ہمارے ایمان کو اور بڑھائے۔ کیونکہ محض ایمان ہی سے نجات ہے۔ اور امید

کی ہوئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔

پنجم:۔ ایمان ہی کے وسیلے سے ہم زندہ ہیں:۔ جیسے کہ ہم انسانی زندگی گزارنے کے لئے یقین اور ایمان کی پیروی میں سرگردان ہوا کرتے ہیں ویسے ہی ہم کو روحانی زندگی میں بھی ایمان ہی کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ انسان ایمان ہی سے بوتا اور ایمان ہی سے کاٹتا ہے۔

مثلاً ایک تاجر کو اپنے کام پر یقین ہوتا ہے۔ ورنہ وہ کبھی بھی اس کے کرنے کی جرأت نہ کرے۔ اسی طرح ایک سائنسدان جسے قوانین قدرت پر ایمان ہوتا ہے۔ اور وہ اسی ایمان کی بناء پر صداقت کے حصول کے لئے سعی کرتا ہے۔ اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ بچے کا والدین پر۔ اور ہمارا گھریلو انتظام پر یقین ہے۔ اگر ہمارا ایمان کسی بھی انتظام پر نہ ہو۔ تو ہم زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ہمارے روزانہ شعار اور لین دین میں ہمارا علم بہت ہی کم کام دیتا ہے۔ مگر بہت درجے تک ایمان پر ہی ہمارا انحصار ہے۔ کیونکہ جو خوراک ہم اور آپ روزانہ کھاتے ہیں۔ ہم کو علم نہیں۔ کہ اس میں کتنے اور کن کن قسموں کے جراثیم ہیں۔ تس پر بھی ہم ایمان کے وسیلے سے اسے کھا جاتے ہیں۔ اور زندہ رہتے ہیں۔

اور اگر ایمان دنیا سے جاتا رہے تو ہمارا زندہ رہنا نہ صرف مشکل ہی ہو بلکہ محال ہو جائے۔ کوئی لین دین نہ ہو۔ کوئی کام نہ ہو۔ کوئی تجارت نہ رہے۔ امید باقی نہ ہو۔ جستجو جاتی رہے۔

گفتگو بے لطف ہو۔ کھانے پینے سے نفرت ہو۔ کیونکہ اس کے نہ ہونے سے سب بے ترتیبی اور بدانتظامی ہو جائے۔ لہذا زندگی۔ انتظام اور ترقی محض ایمان ہی پر مبنی ہے۔ اسی طرح مذہب بھی ایمان ہی پر منحصر ہے۔ لہذا ایمان زندہ خدا میں ہر ایک چیز کو حقیقت دینے میں مدد دیتا ہے۔ اور ان چیزوں کو بھی جن کی ہم امید کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سے انسانی زندگی میں الہٰی مکاشفے کو کھول دیتا ہے۔ وہ چیزیں جن کو ہم نے ہنوز نہیں دیکھا۔ ان کا احساس غیر ممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اور مخلوق کا خالق کے ساتھ الحاق کر دیتا ہے۔

ششم:۔ نتیجہ:۔ اب ہم اس درجہ تک پہنچ گئے کہ ہم ایمان کے اصلی معنی بیان کریں۔ یعنی الحاق یا اطاعت۔ یعنی جان خدا سے اور کلیسیاء سے ایمان ہی کے ذریعہ سے باندھی یا مطیع کی جاتی ہے۔ اور وہ شے جو ہم کو خدا سے ملاتی ہے وہ تین طرح کے عمل ہیں جو ہمارے دماغ کو کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس میں ہماری عقل۔ احساس اور مرضی کام کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ایمان کے عنصر یعنی یقین۔ بھروسہ اور تابعداری بھی۔ اللہ اسی عمل سے ہماری زندگی کا الحاق خدا سے ہوتا ہے۔ حقیقی ایمان کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ خدا سے اندرونی طور پر الحاق اور انگور کی ڈالیوں کا سا زندہ اور زندگی بخش رشتہ اور خدا سے اصلی الحاق کی بناء ہی سچے اور حقیقی مذہب کی ابتداء ہو سکتی ہے جیسے کہ ایمانداری۔ فرمانبرداری یا اطاعت ہے۔ اور کلیسیاء اسی کی

جگہ برادرانہ محبت میں ترقی کرتی اور بادشاہت کو پھیلا سکتی ہے۔ اور اسی طور سے ایمان رُوحوں کو بچاتا ہے۔ یعنی حقیقی طور پر نئی پیدائش کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اور اسی سے ہم آزمائشوں پر فتح پاتے ہیں۔ اور اسی ہی رُوح کے پھل نمودار ہوتے ہیں گلتی ۵:۲۲۔ ایمان ان سب کو متواتر ترقی دیتا رہتا ہے۔ اور اگر وہ رائی کے دانے کی مانند بھی کیوں نہ ہو۔ یعنی کس قدر بھی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اور اگر وہی ایمان زندہ ہے تو وہ ترقی کر سکتا ہے۔ اور اس سے ہم پہاڑوں کو بھی ہٹا سکتے ہیں جیسے کلام فرماتا ہے۔

"تمہارے لئے تمہارے اعتقاد کے موافق ہو"۔

دسواں باب

مسیحی تجربات کے متعلق تعلیم

مذہب دراصل انسانی زندگی میں الٰہی زندگی کا اظہار ہے
یہ محض کوئی یقین۔ ایمان یا اصول ہی نہیں۔ جیسے کہ بعض محض
عقیدے پر۔ خدا کی ہستی پر۔ مسیح کی الوہیت پر۔ کلیسیاء کی
پاکیزگی پر تو یقین کامل رکھتے ہیں۔ مگر ان میں خدا کی زندگی کا
اثر مطلقاً نہیں ہوتا۔ یقین محض اپنے میں کچھ اثر نہیں رکھتا۔
بلکہ مسیح کی زندگی کا تجربہ ہی اوّلین چیز ہے۔ اور اس پر روح
القدس کا ظہور، رضائے الٰہی کا اظہار اور سچائی اور محبت کی
روح کی تائید لابدی ہے۔

کلام فرماتا ہے :-
"ویسا ہی مزاج رکھو جیسا مسیح یسوع کا تھا" فلپی ۲: ۵ -
مسیحی تجربہ یا علم اس کی تابعداری یا مرضی کو معلوم کرنے
سے ملتا ہے۔ کیونکہ فرمانبرداری دل کا آئینہ ہے۔ دیکھو یوحنا ۷: ۱۷
"اگر کوئی اس کی مرضی پر چلنا چاہے۔ تو وہ اس تعلیم کی بابت
جان جائیگا کہ خدا کی طرف سے ہے یا میں اپنی طرف سے کہتا
ہوں۔"

اس امر کو جاننے اور اس کی صداقت کو معلوم کرنے کے لئے ہم اس کی مرضی کو بجا لانے کا بیڑا اٹھائیں۔ اور اس کی مرضی کی بجاآوری میں خدا کا فضل اور اس کی سلامتی کے متعلق ہم کو معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اسی سے باپ کی خوشی اور محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مسیحی تجربے کے متعلق گلتی ۵: ۲۲ میں بالتشریح بیان ہے۔ یعنی محبت۔ خوشی۔ اطمینان۔ تحمل۔ مہربانی۔ نیکی۔ ایمانداری حلم۔ پرہیزگاری۔ اسی طرح سے ۲ پطرس ۱: ۵ میں زندگی کی خوبصورتیوں اور نیکیوں کا ذکر ہے۔ جیسے "پس اسی باعث تم اپنی طرف سے کمال کوشش کر کے اپنے ایمان پر نیکی۔ اور نیکی پر معرفت اور معرفت پر پرہیزگاری۔ اور پرہیزگاری پر صبر اور صبر پر دینداری اور دینداری پر برادرانہ الفت اور برادرانہ الفت پر محبت بڑھاؤ۔

فلپی ۴: ۸۔ اس جگہ پولوس ان باتوں کا ذکر کرتا ہے جو مسیحی تجربے کے لئے اصولی اور ضروری باتیں ہیں۔ "غرض اے بھائیو۔ جتنی باتیں سچ ہیں۔ اور جتنی باتیں شرافت کی ہیں اور جتنی باتیں واجب ہیں اور جتنی باتیں پاک ہیں۔ اور جتنی باتیں پسندیدہ ہیں۔ اور جتنی باتیں دلکش ہیں۔ غرض جو نیکی اور تعریف کی باتیں ہیں ان پر غور کرو"۔ اب سچ۔ شرافت واجب۔ پاک۔ پسندیدہ۔ نیک اور تعریف وغیرہ جتنی باتیں پولوس بیان کرتا ہے۔ ان پر ہم بالاختصار روشنی ڈالیں گے۔

محبت :- لفظ محبت کا استعمال مختلف معانی اور مطالب کے لئے کیا جاتا ہے۔ مگر ہم ان سب سے قطع نظر کر کے محض ان ہی مطالب پر روشنی ڈالیں گے جن کا تذکرہ پاک کلام میں ہوا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے۔ کہ ان دونوں کا کچھ مقابلہ ہو۔ تاکہ الٰہی یا حقیقی محبت کی پاکیزگی ظاہر ہو۔

یونانی زبان میں جو الفاظ محبت کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔ ان کی مدد سے ہم الٰہی محبت کی تہ تک پہنچنے میں امداد حاصل کر سکتے ہیں

۱۔ Eros. :- نفسانی یا شہواتی اُلفت۔ یہ لفظ محض نفسانی خواہشات کی آسودگی کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہ وہی محبت یا عشق ہے۔ جو کہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ یہ محبت عورت اور مرد میں ہوتی ہے۔ یا ہر ایک نر کو اپنی مادہ سے۔ اور یہ محبت جب تک الٰہی محبت کی چاشنی سے درست معیار تک لائی نہ جائے یہ حیوانی ہی رہتی ہے۔ مگر خاندان کی اولاد کی۔ والدین کی محبت جو ضرب المثل کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اس کا معیار بلند ہے۔ اور بالا ہے۔

۲۔ Phila :- برادری یا سوسائیٹی کی محبت۔ یہ لفظ اس پاکیزہ محبت کا اظہار کرتا ہے۔ جو ایک شخص دوسرے شخص سے بلا امتیاز نسل رکھتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایک طریقت کے پیرو نہیں ہوتے۔ وہ ایک دوسرے سے میل ملاپ تو رکھتے ہیں اگر ممکن ہو۔ مگر محبت نہیں رکھتے۔ میل ملاپ الٰہی محبت یا الفت

کے درجے تک نہیں لے جاتا۔ اسی طرح سے 'Philanthropie'
یا 'Philadalphia' یہ دونوں لفظ ہم مصدر ہیں۔ اور ان
کا مطلب مہربانی، انسانی ہمدردی یا برادرانہ میل ملاپ یا موانست
ہے۔ دراصل جب تک ہم اپنے نقطہ نگاہ کو بلند کر کے اس
درجے تک نہیں لے آتے کہ ہم دنیا کے باشندے ہیں تب تک
ہماری محبت کا دائرہ تنگ رہتا ہے۔ ان الفاظ کے معانی وسیع
اور بلند ہیں۔ جو کہ مسیح کی محبت کا نظارہ ہماری آنکھوں کے
روبرو لاتے ہیں۔

۳۔ 'Agapa' :- اب یہ ہی ایک لفظ ہے۔ جو کہ الہٰی محبت
کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ صرف بائیبل ہی میں استعمال
ہوا ہے۔ خدا کی محبت۔ نئے عہد نامہ میں بھی یہ لفظ محض الہٰی
دل کے پیار کے انکشاف پر دلالت کرتا ہے۔ جو سراسر پاک اور
مقدس اُلفت کے نام سے نامزد کی جاتی ہے۔ یہ خالص اور
بے ریا ہے۔ اور اسے محض خُدا کے فرزند ہی جان سکتے ہیں۔
کہ اس کی لمبائی، چوڑائی، اونچائی اور گہرائی کتنی ہے۔

یہ وہ محبت نہیں جو دوسرے کو اندھا کر کے اس کو گناہ
اور بدی میں گرائے بلکہ یہ وہ رفاقت ہے۔ جس کے ہونے سے
انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اور وہ ہر ایک چیز کو اس کی اصلی
اور حقیقی صورت میں پہچان لیتا ہے۔ اور خدا کی شفقت اور
اس کی حقیقت کی انتہا کو پہچاننے میں امداد کرتی ہے۔ لہٰذا ہم
اس نتیجے تک پہنچے۔ کہ محبت سے آدمی دیکھ سکتا ہے۔ اور

نفرت سے اندھا ہو جاتا ہے۔

خدا کی محبت :- خدا محبت ہے۔ ایوحنا ۴: ۸۔ خدا کی نیچری محبت ہے۔ جس کی علتِ غائی یہی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو اپنی مخلوق کی بہبودی اور بہتری کے لئے نثار اور قربان کر دے۔ کیونکہ محبت ہی ایک جذبہ ہے۔ اُس قربانی اور ایثار کا جو ہم اپنے محبوب کی بہتری اور بہبودی کے لئے ہر دم کرنے کو مستعد رہتے ہیں۔

خدا نے دنیا کو پیدا کرنے میں اپنی محبت کا اظہار کیا۔ بنی نوع انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ اور ان کی نگرانی اور حفاظت آج تک کرتا ہے۔ کلام کی رو سے ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا سورج نیکوں اور بدوں دونوں پر چمکاتا ہے۔

ان سب سے بڑھکر اس نے یہ کیا۔ کہ اپنے بیٹے کو اس گنا ہگار دنیا میں بھیجا۔ تاکہ ان کو جو گناہ میں مردہ ہیں جلائے۔ جو کھوئے گئے ہیں ڈھونڈے اور بچائے۔ اس نے اپنا اظہار خداوند مسیح میں کرنے سے۔ اپنا میل ملاپ دنیا سے کر لیا۔ ان کے گناہ بخش دیئے۔ اور ان کو آسمان کی بادشاہت کا وارث قرار دیا۔ آسمان کی بادشاہت بھی الٰہی بخشش ہے۔ جو وہ اپنی محبت سے سب کو دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اس کا اعلان عالمگیر ہے "جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"۔

انسان کی محبت :- تو اپنے خداوند خدا کو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اپنی ساری عقل اور اپنے سارے زور سے پیار کر۔ اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ مرقس ۱۲: ۳۰۔

محبت اپنے پڑوسی سے بدی نہیں کرتی ۔ اسی لئے محبت شریعت کی تعمیل اور تکمیل ہے ۔ خدا محبت ہے ۔ اور انسان خدا کی صورت پر پیدا کیا ہوا ہے ۔ لہذا انسان کو سراسر محبت ہی ہونا چاہیئے ۔ تاکہ اس کا الحاق خدا اور اس کی بادشاہت کے ساتھ بنا رہے ۔

(الف) آدمی کا سب سے افضل فرض یہ ہے ۔ کہ وہ اپنے خداوند خدا سے محبت رکھے ۔ خدا نے ہم کو چن لیا ۔ اور ہم سے پہلے محبت کی ۔ اور نہ صرف محبت ہی کی بلکہ اپنے خزانے سے افراط کے ساتھ برکت بھی دی ۔ محبت کا لازمی نتیجہ خدمت ہے ۔ اور انجام قربانی ۔ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا ۔ پر ہم اپنی محبت کا جو ہم اس سے رکھتے ہیں ۔ بنی نوع انسان کے ساتھ محبت رکھکر اظہار کر سکتے ہیں ۔ دیکھو متی ۲۵ : ۳۱ - ۴۶ ۔ ۱ یوحنا ۴ : ۲۰ - ۲۱ ۔

(ب) اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند پیار کرے ۔ یعنی انسان کا انسان کے ہمراہ سلوک ۔ مگر کلام یہ فرماتا ہے ۔ کہ تو نہ صرف اپنی پڑوسی ہی سے محبت رکھ ۔ بلکہ تو اپنے دشمن کے لئے بھی دعا مانگ ۔ خدا کی محبت انسان کی محافظ ۔ اس کی ترقی اور بہتری کی جویاں اور اس کی عزت اور ناموری کے لئے کوشاں ۔ اس کی نجات اور مخلصی کے لئے مستعد رہتی ہے ۔ اس محبت کی کرن انسان میں ہے ۔ اس کی خوبیاں اس میں ہونا ہی الہٰی محبت کی اظہار ہے ۔ کیونکہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھنے کا مدعا یہ ہے ۔ کہ ہم اس کی زندگی ۔ صحت ۔ عزت آبرو ۔ مال و دولت

خوشی اور بہبودی کی محافظت کریں۔ جیسے کہ ہم اپنے لئے کرتے ہیں اور اسی کا نام خدمت ہے۔ یعنی بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کی رہائی اور انجیل کی بشارت دنیا کے کناروں تک۔ کیونکہ جیسا کہ خدا کا برتاؤ ہمارے ساتھ ہے۔ ویسا ہی ہمارا سلوک انسان کے ہمراہ ہونا چاہیئے۔

اور جو کچھ تم چاہتے ہو۔ کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں۔ وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو۔ متی ۷: ۱۲۔ اب انسان کی محبت انسان کے ساتھ۔ اس کا مطلب ہے۔ خدمت۔ متی ۲۵: ۳۱-۴۶۔ اس جگہ بھیڑوں اور بکریوں کی تمثیل سے یہی عیاں کیا گیا ہے۔ کہ ہم اپنے انسانی رشتہ میں ایک دوسرے کے ہمراہ کس قدر بے پروائی سے برتاؤ کرتے ہیں۔ بالخصوص ان کے ہمراہ جو ہماری امداد کے مستحق ہیں۔

دولتمند نے لعزر کے ساتھ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ لہذا اس کی سزا جہنم ہوا۔ اب یہ ظاہر ہوا کہ محبت افضل ترین خوبی ہے۔ اور خدمت اس کی کسوٹی۔ بعینہ نیک سامری نے اپنی انسانی ہمدردی کا اظہار اس مسافر کی خدمت سے کیا۔ اور خداوند نے اس کا اجر ضائع نہ ہونے دیا۔

محبت سب کچھ سہتی ہے۔ متی ۱۸: ۲۱۔ محبت کھوئے ہوئے واپس لیتی ہے۔ متی ۱۸: ۱۵۔ گلتی ۶: ۱۔ محبت ایک دوسرے کا بوجھ اٹھاتی ہے۔ اور اپنی زندگی دوسروں کے لئے قربانی کرتی ہے۔

۴۔ محبت کے خواص :۔ ۱ کرنتھی ۱۳ باب ۔ محبت کا ایک مزمور ہے۔ اور اسی طرح ۱ یوحنا ۴ باب ۔ مذکورہ بالا حوالے میں پولوس محبت کی کوئی تعریف نہیں کرتا ۔ کیونکہ محبت کی تعریف کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ بلکہ یہ ایک تجربہ ہے ۔ جو کہ ہر ایک شخص کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے ۔ پولوس ہم کو محبت کے خواص اور اُس کا انسان سے تعلق ظاہر کرتا ہے ۔ محبت صابر ہے اور مہربان ۔ محبت حسد نہیں کرتی ۔ محبت شیخی نہیں مارتی اور پھولتی نہیں ۔ نازیبا کام نہیں کرتی ۔ اپنی بہتری نہیں چاہتی جھنجھلاتی نہیں ۔ بدگمانی نہیں کرتی ۔ بدکاری سے خوش نہیں ہوتی ۔ بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے ۔ سب کچھ سہہ لیتی ہے ۔ سب کچھ یقین کرتی ہے ۔ سب باتوں کی امید رکھتی ہے ۔ سب باتوں کی برداشت کرتی ہے ۔ محبت کو زوال نہیں ۔ غرض ۔ ایمان، امید اور محبت یہ تینوں دائمی ہیں ۔ مگر افضل ان میں محبت ہے

سچائی اور آزادگی :۔ "سچائی سے واقف ہوگے اور سچائی تم کو آزاد کرے گی"۔ یوحنا کی انجیل ۸ : ۳۲ ۔

"اور یسوع نے کہا ۔ راہ ۔ حق اور زندگی میں ہوں ۔ کوئی بھی میرے وسیلے کے بغیر باپ کے پاس جا نہیں سکتا"۔ یوحنا ۱۴ : ۶ ۔

"مسیح نے تم کو آزاد رہنے کے لئے آزاد کیا ہے" گلتی ۵ : ۱

پس اگر بیٹا تمہیں آزاد کرے گا تو واقعی آزاد ہوگے"۔ یوحنا ۸ : ۳۶ ۔

"میں پیدا ہوا اور دنیا میں آیا ہوں تاکہ سچائی کی گواہی دوں"
یوحنا ۱۸: ۳۷ ۔

۱۔ یسوع حق ہے :۔ خداوند یسوع مسیح کی خوشخبری راستی اور سچائی کی خوشخبری ہے یہ انسان جب سے کہ مسیح کا ظہور ہوا اندھیرے اور گمراہی کے دور میں نہیں رہتا ۔ بلکہ زندگی اور روشنی کے دور میں ہے ۔ اور اس نے ہی زندگی کے فلسفے کا درست جواب دیا اور فرمایا ۔ کہ تمام فلسفے کا لب و لباب محض تین سوالات ہیں ۔

اوّل :۔ اشیا کا ماخذ کیا ہے ۔ یعنی چیزیں کہاں سے نکلتی ہیں ۔

دوئم :۔ ان کا مرجع کیا ہے ۔ یعنی وہ کہاں کو جاتی ہیں ۔

سوئم :۔ اس فضا کے زیر اثر انسان کا فرض کیا ہے ۔ اس ماحول میں انسان کے لئے کیا کچھ کرنا لازمی ہے ۔

ان سوالات کا جواب خداوند مسیح خود ہے ۔ اب ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے ۔ کہ ہم کیا کریں ۔ اس کا جواب خداوند مسیح نے خود دیا ہے ۔ اور وہ یہ ہے ۔ "میرے پیچھے ہو لو" ۔ راہ ۔ حق اور روشنی خداوند مسیح خود ہیں ۔ اور جو اس کی پیروی کرتا ہے ۔ وہ اندھیرے میں نہیں رہتا ۔ اور اسی لئے آزادی کی خوشخبری راستی

اور سچائی کا نتیجہ ہے۔ اور سچائی ہی تم کو آزاد کرے گی
یہ کلام کی گواہی ہے۔
کیونکہ سچائی کی خوشخبری انسان کو مندرجہ ذیل باتوں
سے آزادگی بخشتی ہے۔
(الف) ناسمجھی۔ شک۔ ڈر۔ توہمات اور جھوٹ سے
(ب) گناہ کی غلامی۔ اور اُس کا دھبہ وطاقت ولعنت سے
(ج) شریعت کی غلامی کے جوئے اور اس کی رسومات
کی اندھا دھند پیروی سے۔
(د) ہر ایک رسم ورواج سے جو کہ مسیح کی تعلیم کے
خلاف ہے۔
اب ہم نے معلوم کیا۔ کہ یہ آزادگی ہی وُہ روحانی طاقت
ہے جو کہ ہم کو ہر ایک درست اور نیک کام کرنے کا اشتعال
دیتی ہے۔ اور غلامی کے کاموں سے مخلصی حاصل کرنے کا
راستہ بتاتی ہے۔ کیونکہ ہم اکثر وُہ کام کرتے ہیں۔ جو ہم کو
کرنے روا نہیں۔ اور یہ محض اسی لئے ہوتا ہے۔ کہ ہم سچائی
سے منحرف ہو کر جسم اور اس کی رغبتوں کے غلام بن جاتے
ہیں۔ اور اسی وجہ سے گناہ کی غلامی میں پڑے رہتے ہیں۔
ہم نے دیکھ لیا ہے۔ کہ مسیحیت کے اصولوں میں سے آزادگی
کتنا افضل اور بہتر اصول ہے۔ جو انسان کی جسمانی اور رُوحانی
دونوں ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔
۲۔ اختیار :۔ اب کلام کی گواہی تو یہ ہے۔ کہ "آسمان

اور زمین کا کل اختیار تو خداوند مسیح کا ہے"۔ اس لئے کہ خدا نے بھی اس ہی مظہر کے ذریعہ سے اپنا انکشاف اور سچائی کا مظاہرہ کیا۔ نیز یہی سچائی ہم کو آزاد کرتی ہے۔ اور اپنی روشنی سے ہم کو راہِ راست پر چلاتی ہے۔ وہ حق ہے جو مسیح میں ظاہر ہوا۔ اور وہی ہماری طاقت اور اختیار ہے۔ وہی ہمارا رہنما ہے۔ لہٰذا ہم اس کی رہنمائی میں ہر ایک گناہ اور اس کی غلامی سے آزاد ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو اس جلالی آزادگی میں حصہ لیتے ہیں۔

۳۔ یہ آزادگی ہے نہ کہ گمراہی کی آڑ:۔ اس میں ایک خطرے کا امکان ضرور ہے۔ بعض دفعہ ہم یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ بس اب ہم آزاد ہو گئے۔ اب ہم کو پورا اختیار ہے۔ کہ ہم دل کھول کر ہر ایک بات کریں۔ خواہ وہ ہماری بھلائی کے لئے ہو۔ خواہ برائی کے لئے۔ اس لئے اس خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا نے ہم کو ایک راستہ کلام ہی میں بتا دیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم ہر ایک بدی سے نکل کر راستی کی طرف ہدایت پا سکتے ہیں۔ دیکھو گلتی ۵: ۱۳۔ ۱-پطرس ۲: ۱۶۔ خداوند مسیح نے کسی کو بھی کسی گناہ یا بدی کے کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ اور نہ ہی جسمانی خواہشات اور نفسانی دنیا کی پیروی کرنے کی ہدایت فرمائی۔ بلکہ اس کے برعکس راستی اور نیکی کی طرف متوجہ کیا۔ جس کی وجہ سے ہم خدا کے نزدیک زندگی گزار سکتے ہیں۔ فلپی ۲: ۵۔ "ویسا ہی مزاج رکھو جیسا مسیح یسوع کا بھی تھا"۔

۴۔ دانائی کی شریعت:۔ اب اس آزادگی کی منزل پر پہنچ گئے۔ مگر اس کی ایک ضروری کڑی کو بھی ذرا معلوم کریں۔ کہ اس کا اس میں کیا حصّہ ہے۔ آزادی کی شریعت کو محبت کی شریعت کا محکوم ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ اگر ہم اپنے اختیار اور آزاد مرضی کو ہی استعمال کرینگے۔ تو بہت سے کمزور بھائیوں کی حق تلفی ہوگی۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ اس آزادی کی شریعت کو محبت اور عقلمندی سے استعمال کریں۔ جس سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو۔ کیونکہ ہمارا سلوک جو دوسروں کے ہمراہ ہوگا اسی سے ہماری نیکی اور دینداری کا اندازہ کیا جائے گا۔

پولوس رسول بھی ہم کو اس مسیحی شریعت کے متعلق مندرجہ ذیل مقامات میں بتاتا ہے۔ اور ہر ایک مقام میں وہ دوسروں کی ضمیر کے خیال رکھنے کے متعلق کہتا ہے۔ مثلاً ۱کرنتھی ۸: ۱۳ و ۹: ۱۹۔ ۲۲۔ ۲۳ و ۱۰: ۲۳۔ ۳۱۔ ۳۲۔

موسوی شریعت سے پولوس آزاد تھا۔ مگر اس نے اس کی پابندی کی تاکہ کسی یہودی کے مسیح کے پاس لانے اور نجات پانے میں وہ سدِ راہ نہ ہو۔ قربانی کا گوشت کھانے کے لئے وہ اس لئے آزاد تھا۔ کہ وہ بُت کو کوئی چیز نہ سمجھتا تھا۔ پر وہ اپنی اس آزادگی کو اپنے کمزور بھائی کے لئے ٹھوکر کا باعث بنانا نہ چاہتا تھا۔ گمان ہے۔ کہ پولوس اس زمانے کے معیار سے اپنی زندگی کہیں اعلےٰ پیمانے پر بسر کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ ہر ایک مذہب و ملّت کے لوگوں سے شیر و شکر رہتا تھا۔ تاکہ ہر ایک کو مسیح کی

طرف راغب کرسنا۔ اور یہی اس کی زندگی کا نصب العین تھا۔ اور یہ وہی شریعت ہے۔ جسے 'Padagogy' کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کسی کو انگلی سے پکڑ کر درس گاہ تک لے جانا۔ جیسے کہ نوکر اکثر چھوٹے بچوں کو لے جایا کرتے ہیں۔ بعینہٖ یہی کام شریعت کا ہے۔ اور اسی شریعت کا نام دانائی یا محبت کی شریعت بھی ہے۔ کیونکہ شخصی آزادی اگر مطیع ہے تو اسی کی ہے۔ اور فردی آزادی جماعتی آزادی پر قربان ہو۔ اور یہ خیال رہے۔ کہ سب کی بھلائی ہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔

معلم

گیارھواں باب

مسیحی تجربات کے متعلق

اوّل۔ خوشی کی خوشخبری :- لفظ انجیل کے معنے ہیں خوشخبری یا خوشی کی خبر۔ اور چونکہ خوشی کی خبر دل میں مسّرت پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے خداوند نے دکھیا دنیا کے سامنے اسے پیش کیا۔ نیز یہ خوشحالی آسمان کی بادشاہت سے ملحق ہے جس کا بیان کرنا مشکل بلکہ محال ہے۔ اسی لئے ہر ایک شخص اس بات کو ظاہر کرنے کی کوشش کیا کرتا ہے کہ ہر ایک مذہب میں خوشی ضرور ہے۔ کیونکہ یہی خوشی یا دلی مسّرت برکت کا پیش خیمہ ہے۔

رومی ۱۴: ۱۷ "کیونکہ خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راستبازی اور میل ملاپ اور اس خوشی پر موقوف ہے جو رُوح القدس کی طرف سے ہوتی ہے"۔

اب اس حالت کو ظاہر کرنے کے لئے کلام میں خوشی، مسّرت، مبارک حالی، خوشحالی وغیرہ الفاظ ہزار ہا مرتبہ آئے ہیں۔

خوشی ۲۵۰ مرتبہ۔ مسّرت یا اس کے ہم معنی لفظ ۲۰۰ مرتبہ۔
اور اسی طرح سے دیگر الفاظ جن سے خوشی اور مسّرت اور مبارک
حالی کا بیان ہوتا ہے۔ کئی سو مرتبہ کلام میں آئے ہیں۔ اس سے
یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسیحی مذہب ایک خوشی کا مذہب ہے۔ اور اسی
وجہ سے اس خوشی کی خبر کو خوشخبری یا انجیل کہتے ہیں۔ کیونکہ
حقیقی خوشی اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

لفظ خوشی مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ آسودگی یا حظ :۔ (Hedone) اس کا اطلاق ہمیشہ
جسمانی خواہشات کی آسودگی سے ہوتا ہے۔ اور ان حیوانی خواہشات
کی سیری اور آسودگی کے خلاف کلام مقدس بہت جگہ فرماتا ہے۔
کیونکہ اس آسودگی سے محض انسان کا سفلی نیچر ہی ترقی کر
سکتا ہے۔ اور اعلےٰ یا الہٰی طبعہ ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے۔

۲۔ خوشی :۔ (Chara) یہ مبارک لفظ ہمیشہ خداوند کے
ہونٹوں پر رہا کرتا تھا۔ دیکھو یوحنا ۱۵: ۱۱۔ "میں نے یہ باتیں
اس لئے تم سے کہی ہیں۔ کہ میری خوشی تم میں ہو اور تمہاری
خوشی پوری ہو جائے۔

یوحنا ۱۷: ۱۳۔ " لیکن اب میں تیرے پاس آتا ہوں
اور یہ باتیں دنیا میں کہتا ہوں۔ تاکہ میری خوشی انہیں پوری
پوری حاصل ہو۔

یوحنا ۱۶: ۲۰۔ "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ تم
روؤ گے اور ماتم کرو گے۔ مگر دنیا خوش ہو گی۔ تم غمگین ہو گے۔

لیکن تمہارا غم ہی خوشی بن جائیگا"۔

اس کی تمثیلیں بھی خوشی کا درس تھیں ۔ لوقا کی انجیل کے پندرہویں باب میں کھوئی ہوئی بھیڑ ۔ کھوئے ہوئے درہم ۔ کھوئے ہوئے بیٹے کی تمثیلوں میں خوشی اور شادمانی کا بیان ہے ۔ نہ صرف زمین پر ہی شادیانے بجتے ہیں بلکہ آسمان پر بھی فرشتوں کے درمیان خوشی کا اظہار ہوتا ہے ۔ مثلاً مسرت بیٹے کی واپسی کے وقت اس شادی کا ملاحظہ ہو ۔ نیز چھپے ہوئے خزانے اور کھوئے ہوئے درہم کے حاصل کرنے کے وقت جس سے مراد آسمان کی بادشاہت ہے ۔ کس قدر خوشی اور مسرت ہوتی ہے

ہمارے خداوند مسیح خود بھی تو ایسے شخص تھے جن کے ارد گرد خوشی کا سماں چھایا رہتا تھا ۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچے بھی اس کے گرد جمع ہو جاتے ۔ اور وہ ان کو اپنی گود میں اٹھا کر ان کو پیار کرتا اور برکت دیتا تھا ۔ لوگ بھی اس کے پاس آکر جمع ہوتے اور خوشی سے اس کا کلام سنتے ۔ اور کلام سے ظاہر ہے کہ اس کے شاگرد بھی ہمیشہ خوش اور شادمان رہتے تھے ۔

ایک دفعہ خداوند نے فریسیوں کو جواب دیا ۔ جب کہ وہ اس کے شاگردوں کو روزہ نہ رکھنے کے متعلق ملامت کرتے تھے "کہ لازمی نہیں کہ میرے شاگرد روزہ رکھیں ۔ جب تک کہ ان کے ہمراہ دلہا ہے" ۔ نیز خداوند ہمیشہ لوگوں کی خوشیوں میں مدعو کیا جاتا اور وہ باخوشی ان کے دعوت ناموں کو قبول کرتا تھا ۔ اور جہاں وہ ہے وہاں خوشی لازمی ہے ۔ اگر ان عادات

کو چھوڑ دیا جائے جو فقیہوں اور فریسیوں کی سازش اور حسد پر مبنی تھے۔ تو خداوند کی زندگی ایک حقیقی خوشی اور گنجینۂ مسرت تھی۔

۳۔ مبارک حالی :۔ مذہب کے اعتبار سے اس حالت کا نام ہے۔ روحانی خوشحالی یا خدا کے ساتھ روحانی الحاق و اتفاق۔ مگر اس کا تجربہ انسانی خوشی کے دائرے سے کہیں باہر ہے۔ اس سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی خوشی نہیں۔ کہ ہم کو خدا نے منظور کر کے ہماری تصدیق کر لی ہے۔ ذہنی یا جسمانی مسرت بے قیام ہے مگر یہ خوشی ابدی اور دوامی ہے۔

مبارک حالی وہ حالت ہے۔ کہ جب ہم خدا کی نظر میں مقبول، پسندیدہ اور غریب ہوئے سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لئے اس کا دوسرا نام روحانی خوشحالی ہے۔ خدا کے ساتھ رفاقت، اور اس کی فرمانبرداری وغیرہ۔

متی پانچ باب میں مبارک حالیاں روحانی تجربے کی شرائط ہیں۔ دل کے غریب۔ غمگین۔ حلیم۔ راستبازی کے بھوکے اور پیاسے، رحم دل۔ پاک دل۔ صلح کرانے والے لعن طعن اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی طرف سے مہر ہو چکی ہے۔ وہ خدا کے حضور مقبول ہیں۔ اسی لئے ایسی زندگی کو بھی مبارک حالی کی زندگی کہتے ہیں۔ دیکھو یوحنا ۱۳: ۱۷۔ "اگر تم ان باتوں کو جانتے ہو تو مبارک ہو۔ بشرطیکہ ان پر عمل بھی کرو"۔

اپنے آپ کو غمگین۔ متفکر۔ رنجیدہ۔ عیب جو بنانا اور ہر چیز کے تاریک پہلو پر ہی نظر رکھنا اس حالت کی دلیل ہے کہ ہم یا تو خدا پر توکل ہی نہیں رکھتے یا ہمارا ایمان بے بنیاد ہے۔ برعکس اس کے سچی محبت اور حقیقی ایمان جو کہ ہم کو خدا سے ملتا ہے ہماری زندگی میں خوشی پیدا کرتا ہے۔ اسی لئے گلتی ۵: ۲۲ میں پولس اس مبارک حالی کا بیان کرتے ہوئے رُوح کے پھلوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور محبت اور خوشی کو پہلا درجہ دیتا ہے۔

دوم:- دکھوں کے برداشت کرنے میں خوشخبری۔

یہ امر کچھ انسانی ادراک سے بعید ہے۔ کہ انسان دکھ اٹھائے اور پھر خوش ہو۔ اور اس کو خوشخبری پھیلانے کا ذریعہ سمجھے۔ مگر مذہب ایسے محاورات اور اصطلاحات سے پُر ہے۔ جو کہ انسانی ذہن اور ادراک سے بعید ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ دکھ اٹھانے اور تکلیف برداشت کرنے کا روشن پہلو بھی ہے۔ کیونکہ صلیب جو کہ دکھ اور تکلیف کا انتہائی درجہ ہے۔ مسیحی مذہب کا مبارک نشان ہے۔ بعینہ ہر ایک فلسفہ کی بھی یہی تعلیم ہے۔ کہ دکھوں ہی میں اصلی خوشی پنہاں ہے۔ اخلاقیات بھی اسی تعلیم کی معتقد ہے۔ کہ سیرت یا کیریکٹر کی بناوٹ یا پختگی کے لئے دکھوں کی برداشت کرنا از حد ضروری ہے۔ اور انسان جب تک دکھوں کو خندہ روئی سے برداشت نہ کرے گا۔ وہ اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے قابل ہرگز نہ ہوگا۔ انسانیت اسی میں ہے۔ کہ

دکھوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے۔ اور ان پر فتح حاصل کی جائے۔ مسیحی مذہب بھی دکھ اُٹھانے کی حقیقت سے منکر نہیں۔ اور نہ ہی قربانی اور رنج کا منکر ہے۔ بلکہ برعکس اس کے وہ ان دونوں کو روحانی زندگی میں کامیابی کے ساتھ داخل ہونے کے ذرائع تصور کرتا ہے۔

اب ذیل میں ہم ان تین اقسام کی تکالیف کا ذکر کرینگے جو کلام بیان کرتا ہے:-

اوّل۔ گناہ کی وجہ سے دکھ:- گلتی ۶:۷۔ "کیونکہ جو کچھ آدمی بوتا ہے وہی کاٹے گا"۔ "جو جان گناہ کرے گی وہی مرے گی"۔ حزقی ایل ۱۸:۴۔ مسیحی مذہب میں ہر ایک مسیحی کا علم اور تجربہ ہے۔ کہ گناہ کی موجودگی یا ارتکاب ضرور سزا کا سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ آگ کی دوستی کا لازمی نتیجہ ہے جلنا۔ ہم جلانے کو آگ سے جدا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ اس کا خاصہ ہے اسی طرح سے اگر ہم اپنا مال و زر بے فائدہ ضائع و برباد کرینگے تو اس کا لازمی نتیجہ غربت و افلاس ہوگا۔ بعینہ اگر ہم اپنے جسموں کو جو خدا کی ہیکل ہیں برباد کریں گے تو اس کا انجام ہماری کمزوری اور ہلاکت ہوگا۔ "گناہ کی مزدوری موت ہے"۔ اسی لئے جب ہم کوئی گناہ کرتے ہیں (گناہ سب یکساں ہیں کوئی صغیرہ یا کبیرہ نہیں۔ خدا کی نظر میں سب گناہ ایک حیثیت رکھتے ہیں) تو اس کی سزا ہم کو ضرور برداشت کرنی ہوتی ہے خواہ وہ فوری ہو خواہ بعد میں۔ کیونکہ سزا اکثر دیر میں ملتی ہے۔ اسی لیے

یہ دُکھ ہم کو آگاہ اور بیدار کرتے ہیں۔ کہ ان گناہوں کی سزا آئندہ ضرور ہے۔ کلام فرماتا ہے۔ "فریب نہ کھاؤ خدا ٹھٹھوں میں نہیں اڑایا جاتا۔ آدمی جو کچھ بوتا ہے وہی کاٹیگا۔"

دوم۔ "قواعد وضوابط یا انتظام و درستی کے لئے دُکھ"

یعقوب ۱: ۲ آیت "اے میرے بھائیو جب تم طرح طرح کی آزمائشوں میں پڑو تو اس کو یہ جان کر کمال خوشی کی بات سمجھنا کہ تمہارے ایمان کی آزمائش صبر پیدا کرتی ہے"۔

زبور ۱۱۹: ۶۷:۔ "میں مصیبت اٹھانے سے پہلے گمراہ تھا پر اب تیرے کلام کو مانتا ہوں"۔

زبور ۱۱۹: ۷۱-۷۵:۔ "اچھا ہوا کہ میں نے مصیبت اٹھائی تاکہ تیرے آئین سیکھوں۔ وغیرہ۔

اب ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ جو دُکھ ہم ایمان کی وجہ سے برداشت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہماری درستی یا تادیب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ مصیبت یا دُکھ جو متحدہ طور پر کسی جماعت یا گروہ یا فرقے پر وارد ہوتا ہے۔ وہ اس کی جماعتی اور برادرانہ طاقت کو مضبوط کرکے ان کو باندھ دیتا ہے۔ مگر عیش و طرب اسی گروہ کو پراگندہ کر دیتی ہے۔

رومیوں ۸: ۲۸۔ "سب چیزیں مل کر خدا سے محبت کرنے والوں کے لئے بھلائی پیدا کرتی ہیں"۔ ہم پولوس رسول کی زندگی ہی سے اسی راز کو سمجھ سکتے ہیں۔ جو فرماتا ہے "کہ میں اس بات پر فخر

کرتا ہوں۔ کہ مسیح کے لئے دُکھ اٹھانے کے درجے تک تو پہنچا۔ اب ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ کہ بعض لوگوں کو نجات حاصل کرنے اور اس کی خوشی میں حصّہ پانے کے لئے دُکھ ہی دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے۔

نیز یہ بھی درست ہے۔ کہ اگر دُکھ دنیا سے اٹھ جائے۔ اور مُسرت اور خوشی ہی باقی رہے تو لوگ لازمی طور پر خدا کو بھول اور اپنی خودی اور خود غرضی کے گڑھے میں غرق رہیں۔ دین و مذہب کا خیال جاتا رہے۔ اور گناہ اور بدی و بدکاری کا دَور ہے لہذا یہ دُکھ اور مصیبت انسانی بہتری اور بہبودی کے لئے ہے۔ اور اِس ہی سے رُوح کی پاکیزگی عمل میں آتی ہے۔ لہذا دُکھ کا مسئلہ بھی انجیل یا خوشخبری کا ذریعہ ہے۔

سوئم :-

مختلف مصیبتیں

اس عنوان کے تحت ہم اس بات کا چرچا کرینگے۔ کہ ہم کو کہاں تک دوسروں کے لئے دُکھ اٹھانا ضروری ہے۔ یشعیاہ ۵۳ باب ایک خاص باب ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کس طرح خدا کا راستباز بندہ اپنے گناہوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے شاگردوں کے لئے خاص طور پر دوسروں کے گناہوں کے لئے دُکھ اُٹھاتا ہے۔

مثلاً اسرائیل کا واقعہ لیجئے۔ وُہ کس قدر رنج و محن اسیری و تنگ حالی سے گزرے۔ مگر اس زمانے میں وُہ اس معمّے کو حل نہ کر سکے۔ کہ ان کو قید کرنے والے کیوں اس قدر شاد و خُرّم تھے۔

جس حال کہ اس کی برگزیدہ و خاص قوم اس قدر بیتاب و بے قرار ہے۔ اسی دوران میں خدا کا کلام ہی کے ذریعہ ان تک بھیجا جاتا ہے۔ کہ خدا کا ارادہ یہ ہے۔ کہ وہ غیر اقوام کو اپنے بندوں کے دکھ کے ذریعہ سے نجات دے۔ خداوند مسیح کے دکھ اٹھانے کی یہ غایت بھی یہی تھی۔ "وہ مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا"۔ کس قدر مصیبت اور صعوبت کس لئے دکھ برداشت کئے گئے۔ کیوں ذلت اور لعن طعن اٹھائی۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس نے یہ سب کچھ گناہگار انسان کی مخلصی کے لئے کیا۔ اسی لئے اس نے خود فرمایا "میرے پیچھے ہو لو"۔

اس نے اپنے شاگردوں سے فرمایا۔ کہ تم کو میرے ساتھ دکھ اٹھانا اور اس پیالے کو پینا ہے۔ اور یہاں تک کہ دکھوں کا بپتسمہ بھی لینا ہے۔ اسی لئے پہلی تین صدیوں میں بالخصوص اور موجودہ زمانے تک بالعموم اس کے شاگرد اس پر عامل رہے۔ اور اس کی کلیسیا نے ترقی کی۔ ایک شہید نے کہا۔ "کہ جس جگہ شہیدوں کا خون گرے گا وہاں پر ہزاروں مسیحی جام شہادت نوش کرنے کے لئے استادہ ہونگے"۔

اب یہ بھی پیغام ہمارے لئے ہے۔ کہ ہم اپنے آپ کو خالی کرکے۔ اور اپنے حقوق کی پرواہ نہ کرکے اپنے جسم خداوند کے مذبح پر قربانی ہونے کے لئے زندہ چڑھا دیں۔ اور ہر طرح کی تکلیف و مصیبت اور لعن طعن برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور خدا جو ہمارا رب و پروردگار، منجی و باپ ہے ہم کو اس کا اجر دیگا۔

اس لئے خداوند کے اچھے سپاہی کی طرح دُکھ اٹھانا لازمی امر ہے۔

سوم :- فتحمندی کی خوشخبری

انسان کی پیدائش دفعہ اوّل ہی سے اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کہ اس کو اس دنیا میں مصیبت اور دُکھ اٹھانے ہیں۔ گویا وہ ایک سپاہی ہے۔ جسے اس جنگ و جدل میں حصّہ لینا مقرر ہے۔ وہ دو بادشاہتوں کے ماتحت ہے۔ آسمانی اور دنیاوی۔

گلتی ۵ : ۱۷ - "کیونکہ جسم رُوح کے خلاف خواہش کرتا ہے۔ اور رُوح جسم کے خلاف۔ اور یہ ایک دُوسرے کے مخالف ہیں"۔ بعینہٖ رومی ۷ باب میں بھی پولوس جسم اور رُوح کے تصادم کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے روزمرّہ یا حسب معمول ذیل کے تجربات سے واسطہ پڑتا ہے۔

(الف) وہ ایک روحانی ہستی ہے جو کہ مادی جسم میں مقیّد ہے۔

(ب) اس مادی قالب میں اسے روزانہ جدوجہد۔ الجھنوں اور آزمائشوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

(ج) اس ماحول کے زیرِ اثر اسے کامیابی اور ناکامی دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دنیا کی تواریخ۔ ادبیات اور مذاہب اور شخصی تجربات سب اس موجودہ زندگی کو ایک جدوجہد ہی سمجھنے پر متفق ہیں

اب اگر ہم اس کو جدوجہد یا جنگ کا نام دیتے ہیں۔ تو اس میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہونگے جو ناکامیاب ہونگے۔ اور اکثر

ہوتے ہیں۔ اور ان کی ناکامی کا باعث تقدیر کا نوشتہ نہیں۔ بلکہ ان کی اپنی ہی غلطی ہے۔ کہ وہ اکیلے ہی اس گھمسان لڑائی میں کود پڑتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس کے بغیر جو دنیا پر غالب آیا کبھی بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ دیکھو یوحنا ۱۶:۳۳۔

فتحمندی کے معانی:۔ مسیحی زندگی دراصل کامیاب زندگی کہلاتی ہے۔ اور وہ کامیابی محض خداوند مسیح ہی کے وسیلے سے ہے۔ اور اس کامیابی کا مطلب ہے

(الف) گناہ پر فتحمندی:۔ مسیح کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے ہم کامل۔ صادق۔ راست اور خوبصورت بن جاتے ہیں۔ اور اسی کی امداد سے ہم گناہ پر فاتح ہوتے ہیں۔

(ب) آزمائشوں پر فتحمندی:۔ اور جب ہم اس کی تقلید میں ہیں۔ تو ہم کسی صورت میں آزمائش میں گر نہیں سکتے۔ کیونکہ اس مبارک منجی کے پروں کے نیچے ہی راحت اور چین ہے۔

(ج) موت پر فتحمندی:۔ ۱-کرنتھی ۱۵: ۵۴-۵۷ آیات قبر شکست کا نشان نہیں بلکہ فتح کا ایما ہے۔ اور نہ صرف ایما ہے بلکہ ابدیت کی زندگی میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔

(د) جسم اور اس کی رغبتوں پر فتحمندی:۔ اس سے مراد ہے۔ جسم ہمارا خادم ہے۔ آقا نہیں۔ اور جب

خادم ہے تو ہمارے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ۔ لہذا ہم روح اقدس کو اپنے دل کے تخت پر بٹھا سکتے ہیں ۔ اور اسی طرح سے جسم کو مصلوب کرکے اس پر فتح حاصل کر سکتے ہیں ۔ کیونکہ مسیحی زندگی مقدس اور مبارک یروشلم کی طرف ایک دوڑ ہے ۔ اور یہ محض گناہ پر فتح نہیں جو کہ بپتسمہ کے وقت ہم کو ملتی ہے بلکہ یہ ایک متواتر فتح ہے ۔ جو کہ ہماری جسمانی خواہشات اور رغبتوں کو مغلوب کرکے ہمارے ماتحت کر دیتی ہے ۔ اور ہم میں صبر اور برداشت کی روح بھر دیتی ہے ۔

سوم :-

یہ فتح ایک وسعت نظری ہے :-

وسعت نظری درحقیقت فتح پر ایمان لانا ہے ۔ اور ایمان بھی فتحمندی ہی کا دوسرا نام ہے ۔ کیونکہ ایسا شخص اپنے غنیم کی ہر چال و عادت کو پہچان لیتا اور اس پر مسیح کے ذریعہ سے فتح حاصل کرتا ہے ۔ اور خداوند خود فرماتا ہے کہ انتقام میں لونگا بدلہ لینا میرا ہی کام ہے "۔

" تنگ خیال یا تاریک نظر انسان بھی گو وہ کتنا ہی ادنےٰ کیوں نہ ہو اس بات کو بھانپ لیتا ہے ۔ کہ دنیا شیطان کے منصوبوں میں پھنس کر ہلاکت کی طرف ترقی کر رہی ہے ۔ لہذا وہ ان پر نظر نہ ڈالتے ہوئے ان کو شیطان ہی کے قبضے میں چھوڑ دیتا ہے ۔ اور اپنے ایمان کی وجہ سے فتح حاصل کرتا ہے " تمہارے ایمان کے مطابق تمہارے ساتھ ہو " متی ۹ : ۲۹ ۔ اب بلند نظری

تابعداری اور ایمان کے علاوہ ہم کو کوئی چیز بھی کامیابی دے نہیں سکتی اسی لئے مسیحیت کو ہم کامیاب زندگی کہتے ہیں۔ جو ہم میں یہ خواص پیدا کرتی ہے۔

چہارم :-

(الف) خوشخبری کے ہتھیار :- افسی ۶: ۱۰-۲۰ میں ہم کو خوشخبری کے ہتھیاروں کی تعریف بتائی گئی ہے۔ ان ہتھیاروں کے سات حصّوں پر ہم ذیل میں غور کرینگے :-

۱- یہ خدا کے ہتھیار ہیں۔

۲- ان کو پہننا ہمارا فرض ہے۔

۳- ان ہتھیاروں کے بغیر فتح ناممکن ہے۔ کیونکہ ہماری جنگ مضبوط فوجوں سے ہے۔

۴- یقینی فتحمندی ان ہی ہتھیاروں سے حاصل ہوتی ہے جو آزمودہ ہوں۔ مسیح نے ان ہی کے ذریعہ سے فتح حاصل کی"۔ اب ہم ان ہتھیاروں کے حصّے ذیل میں درج کرتے ہیں :-

سچائی۔ راستبازی۔ صلح کی خوشخبری۔ ایمان۔ نجات کا خود۔ روح کی تلوار۔ خدا کا کلام اور دعا۔

(ب) خدمت :- اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے ان ہتھیاروں کا استعمال لازمی ہے۔ مگر ایک بات قابلِ لحاظ ہے۔ کہ ان تمام ہتھیاروں میں پشت کے لئے کوئی ہتھیار نہیں — لہٰذا ہم کو سینہ سپر ہوکر مقابلہ

کرتا ہے۔ نہ کہ پیٹھ دکھاتا ہے۔ اس طرح سے گناہ کو مغلوب کرکے اور آزمائشوں پر فاتح ہو کر شیطان کو نیچا دکھاتا ہے۔ ۱ یوحنا ۲: ۸۔ کوئی شخص بھی سلبی ذرائع سے فاتح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کو اثباتی طریقے استعمال کرکے خادم کی زندگی بادشاہت کی اشاعت کے لئے بسر کرنی ہے۔

پنجم :-

فتحمندی کے نتیجے

(الف) روحانی زندگی کی کامیابی کے نتیجے مبارک حالی اور خوشی ہیں۔ کیونکہ یہ خوشی ایسی ہے جسے دُنیا حاصل ہی نہیں کر سکتی۔ اور اس حکمت سے بڑی کوئی بھی ناکامی نہیں۔

(ب) مکاشفہ کی پوری کتاب فتحمندی کی تصویر ہے۔ جو ایک ایماندار اور وفادار مسیح کے خون کے وسیلے سے حاصل کرتا ہے۔ مصیبتیں اور دُکھ ولا متحان اس کو لغزش نہیں پہنچا سکتے۔ وہ کامل رہتا ہے۔ اور ہمیشہ راستباز ٹھہرتا ہے۔ ایسوں ہی کے لئے ہمیشہ کی زندگی کا وعدہ اور حیات کے درخت سے کھانے کا عہد ہے۔ مکاشفہ ۲: ۷ "ان کو دوسری موت سے کچھ نقصان نہ پہنچیگا" مکاشفہ ۲: ۱۱ - "قوموں پر اختیار ہوگا" مکاشفہ ۲: ۲۶ "سفید لباس ان کو پہنایا جائیگا" مکاشفہ ۳: ۵ "خدا

کی ہیکل میں ستون ہونگے" مکاشفہ ۳: ۱۲ - "اور مسیح کے ساتھ اس کے تخت پر بیٹھیں گے۔ مکاشفہ ۳: ۲۱ و ۲۱: ۷ - "جو غالب آئیگا ۔ میں اُسے یہ سب چیزیں دُوں گا ۔ اور میں اُس کا خُدا ہُونگا اور وُہ میرا بیٹا ۔

مسیح کا مذہب ان ہی وجوہات کے سبب تمام دُنیا کے مذاہب سے افضل ترین ہے۔ کیونکہ وُہ جلالی اور مُبارک ہے۔ اور یہی ازلی کامیابی ہے جس کو حاصل کرکے انسان جنت کی طرف قدم اُٹھاتا ہے۔

بارھواں باب

آئندہ چیزوں کی تعلیم اور ہماری اُمید

مسیحی خوبیوں میں سے ایک خُوبی ہے اُمید۔ اور اُمید اُن
اَن دیکھی چیزوں کی تمنا ہے۔ جو کہ ہمارے خداوند اور ہی سے متعلق
ہیں۔ اور اگر خدا کے متعلق ہمارے خیالات اور تعلیم درست اور
راست ہیں تو ہماری مستقبل پر اُمید بھی راست اور درُست ہو
سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا انحصار اسی تعلق پر ہے۔ خداوند نے
کلامِ مقدس میں جو تعلیم دی ہے۔ وُہ پیش گوئیوں کی صورت میں
ہے۔ کیونکہ استقبال کے متعلق صاف طور پر اس نے بیان کرنے
کی سعی ہی نہیں کی۔ مگر اس نے اظہار کا ذریعہ پیش گوئیوں کا
کو بہتر سمجھا۔ اور بتایا کہ بعض حالات کے ماتحت مستقبل "کیسا"
یا کیا ہوگا۔ مگر "کیا" کا ذکر مفصّل بیان نہیں کیا۔ اور یہ انسان
پر چھوڑ دیا۔ کہ گذشتہ چیزوں اور تجربات کی بنا پر نئی باتوں کو
پہچانے۔ اور گذشتہ تجربے سے ہر ایک چیز کا تعلق بیان کرے
مثلاً ایک بچہ جوانی کی زندگی کے متعلق کچھ علم نہیں رکھتا
اور نہ ہی کوئی تیتری کی زندگی کا علم رکھتا ہے۔ بعینہ ہم آئندہ
زندگی کو مکمل طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ کیونکہ اس کا علم ہمارے لئے

اکتسابی ہوگا نہ کہ ذاتی۔ بدیں وجہ جو الفاظ و محاورات آئندہ زندگی اور اس کے واقعات سے ملحق ہیں وہ سب اصطلاحی طور پر مستعمل ہیں۔ اس لئے کہ مستقبل کا علم جو ہنوز انسانی تجربے میں نہ آیا ہو اس کا بیان ممکن نہیں۔

لہٰذا مستقبل تعلیم کا تعلق محض خدا سے ہے۔ اور چونکہ خدا ہمارا۔ پیارا۔ راستباز اور نیک باپ ہے۔ جس نے ہم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ سو ہماری امید اور ایمان اس کے وسیلے سے آئندہ پر ہے۔ کیونکہ انسانی ادراک اور سمجھ سے بڑھکر آسمانی باپ انسان کے لئے کرتا ہے۔ جیسے کہ اس نے مسیح کو دنیا میں بھیج کر ہماری امیدوں سے افضل کیا۔ ایسے ہی وہ آئندہ ہمارے لئے کریگا۔ یہ ہمارا ایمان اور اعتقاد ہے۔

دوم :۔

رُوح کی ابدیت یا دوام

رُوح کی ابدیت کے متعلق جو ہمارا ایمان ہے۔ اس کا انحصار بہت سی باتوں پر ہے۔

اوّل :۔ عوام کی امید :۔ ἀνθρωπολογία !

علم انسانی کے ماہر یہ فرماتے ہیں۔ اور ہر قوم و ملت کا بھی اعتقاد اسی پر ہے۔ کہ جسم کی موت کے بعد رُوح زندہ رہتی ہے۔ نیز زندگی کی تمنا اور خواہش ایک دیرینہ خواہش ہے۔ جو بنی نوع انسان کی امیدوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اب یہ زندگی کی عالمگیر تمنا جو کہ ہر ایک ذی نفس میں پائی جاتی ہے۔ خدا سے علاقہ رکھتی ہے۔ اور

وہی رشتہ جسم کو آئندہ سے ملحق کرتا ہے۔

دوئم :۔ روح کی نیچر یا فطرت :۔ روح کی خدا کی مثل کوئی دیدنی یا ظاہری صورت یا شبیہ نہیں۔ خدا روح ہے۔ لہذا انسان کی روح بھی خدا کی روح ہے۔ جو ابدی ہے۔ انسانی جسم اس روح کا ظرف یا مکان ہے۔ جس میں وہ ساکن ہے۔ اور بعد میں وہ اپنے اصل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اس کو علم ذاتی ہے۔ کہ اس کا کون خالق ہے۔ اور جب ظرف یا مسکن تباہ ہو جائے تو ممکن نہیں۔ کہ روح بھی تباہ ہو۔ مثلاً انسان جس کے اندر وہ روحانی یا الہٰی ہستی ساکن ہے۔ اس کا ہاتھ کاٹنے یا پاؤں کاٹنے سے روح نہیں کٹتی۔ بلکہ اس کے مرجانے سے نکل جاتی ہے اور اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔

Ethical arguments

سوئم :۔ اخلاقیات کی رُو سے

انسان ذی عقل ہے۔ اس کو اپنے متعلق علم ذاتی ہے۔ اپنے اخلاقیات سے باہرہ ہے۔ اپنی شعوری دنیا سے آگاہ ہے۔ اسی کی وجہ سے جیسا دوسروں سے برتاؤ چاہتا ہے۔ پہلے ان سے ویسا ہی سلوک رکھتا ہے۔ مگر اسی میں ایک مشکل ہم کو درپیش آجاتی ہے۔ کہ راستباز کیوں دکھ اٹھاتا ہے۔ جب کہ شریر سربلند ہو رہا ہے۔ اسی لئے انصاف اس بات کا مقتضی ضرور ہے۔ کہ اس خسارے کو پورا کرنے کے کوئی آئندہ زندگی ہو۔ جس میں راستبازوں کو بھی جزا ملے۔ اور بدکار کو سزا۔ ہم دیکھتے ہیں دنیا کا ایک بہت بڑا فلسفہ دان عمانوایل کانٹ اس بات کو بہت پسند

کرتا تھا۔ نیز اس کا خیال اور اعتقاد تھا کہ چونکہ خدا منصف اور مشفق باپ ہے۔ لہٰذا وہ ایک اعلےٰ اور افضل زندگی کا انتظام کرتا ہے۔ تاکہ ان کا انصاف ہو کہ اس دنیا میں محروم رہے آئندہ زندگی میں ہو۔

نیز اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ عقدہ کشائی ضرور ہوتی ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کچھ نامکمل سی ہے۔ یہ ایک نصف دائرے کی طرح ہے جس کا دوسرا نصف آئندہ سے ملحق ہے۔ اسی لئے ہر ایک ذی جان کو یہ آگاہی ہے۔ کہ اس کی زندگی کا بہترین حصہ ہنوز باقی ہے۔ لہٰذا اس لی ان تمناؤں کی تکمیل بھی ضروری ہے روح ابدی ہے۔ وہ نیکی۔ بہتری اور خوبصورتی کا خالق ہے۔ لہٰذا وہ تمام جن کو وہ خلق کرتا ہے۔ وہ بھی ابدی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ انسان بھی ان خوشیوں سے مستفید ہونے کے لئے ابدیت کو حاصل کرے۔

چہارم :۔ ابدیت کے متعلق مذہبی نقطہ نگاہ :۔

مندرجہ ذیل باتوں پر آئندہ زندگی کا انحصار ہے۔

(الف)۔ خدا لازوال اور ابدی ہے۔ انسان بھی اس کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا دوام بھی یقینی ہے۔

(ب)۔ خداوند مسیح جو کامل انسان تھا۔ مردوں میں سے جی اٹھا۔ بہت سے لوگوں کو دکھائی دیا اور اس کا رفع آسمانی ہوا۔

(ج)۔ خداوند مسیح ہی نے انسانی روح کی قدر و منزلت کو قائم

کی ۔ اور اُسے خداوند کا فرزند کہکر پکارا۔

(د) خداوند مسیح نے خود کلام مقدس میں بہت سے مقامات پر رُوح کے دوام کے متعلق تعلیم دی ہے۔

" جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور رُوح کو نہیں کر سکتے ان سے نہ ڈرو"۔ متی ۱۰: ۲۸ ۔

"تو آج میرے ساتھ فردوس میں ہوگا"۔ لوقا ۲۳: ۴۳

"میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں" یوحنا ۱۴: ۲

" مگر اب ہمارے منجی یسوع مسیح کے ظہور سے ظاہر ہوا۔ جس نے موت کو نیست اور زندگی اور بقا کو اس خوشخبری کے وسیلے سے روشن کردیا"۔ ۲ تموتھی ۱: ۱۰ ۔

مقابلہ کرو۔ متی ۲۵: ۴۶ ۔ لوقا ۱۸: ۳۰ و ۲۰: ۳۶ ۔ یوحنا ۳ باب ۔ ۴ باب سے ۱۶ باب تک ۔ ۵: ۲۴ ۔ ۲۵ و ۲۹ ۔ ۲: ۲۷ و ۴۷ و ۵۴ ۔ ۱۲: ۲۵ ۔ ۱۷: ۳ ۔ رومی ۶: ۲۲ ۔ ۲۳ ۔ ۱ کرنتی ۱۵: ۵۳ و ۵۴ ۔ ۲ کرنتی ۵: ۱ ۔ گلتی ۶: ۸ ۔ ۱ یوحنا ۵: ۱۱ ۔ ۱۳ ۔

(ہ) ہماری نجات کی تجویز کا انحصار آئندہ کی مبارک حالی اور مقدس زندگی پر ہے ۔ اور انجیل مقدس بھی رُوح کے دوام کا ذکر متعدد بار کرتا ہے۔ "کیونکہ خداوند زندوں کا خدا ہے۔ نہ کہ مُردوں کا"۔ اور ہماری تمام امیدیں اسی زندگی بخش وعدے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور یہی اس عالمگیر حقیقی اور سچے مذہب کا اعلان ہے۔

سوم :- عدالت یا انصاف یا علیحدگی

گناہ اور نجات کی موجودہ تعلیم سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ دُنیا میں نیکی ۔ بدی ۔ بھلائی اور بُرائی ۔ جھوٹ اور سچ نیز اچھے اور بُرے گناہگار اور نیک ۔ خدا پرست اور راستباز سب طرح کے لوگ اور خیال پائے جاتے ہیں ۔ خدا راست ہے ۔ اور راستی ، نیکی اور خوبصورتی کا سرچشمہ ہے لہٰذا اس سے کسی بُرائی یا گناہ یا ناراستی کا صدور ناممکن ہے ۔ اس لئے گناہ دنیا میں انسان کی آزاد مرضی کے استعمال سے آ موجود ہُوا ۔ اسی لئے گناہ کو دوسرا نام یہی دیا جاتا ہے ۔ کہ یہ سیدھے راستے سے گمراہی ہے اور اس صراط مستقیم سے بھٹکنا ہے جو ہمارے خداوند نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے ۔ اور نجات کے معنی ہیں " ملنا " ۔ خُدا سے صلح کر لینا ، اور اس کے ہم خیال ہونا ۔ اور عدالت محض اسی لئے ہے ۔ کہ نیکی ، بدی سے اور بھلائی بُرائی سے علیحدہ کی جائے ۔ اور ہر ایک کو اس کی مقررہ جگہ ملے ۔

(الف) آخری علیحدگی کی حقیقت

ان دو تمثیلوں سے جو متی ۱۳: ۲۴ - ۳۰ و ۳۶ - ۴۳ - ۱۳: ۴۷ - ۵۰ میں پائی جاتی ہیں ۔ خداوند نے یہ ظاہر کر دیا ہے (کڑوے دانے اور مچھلیوں کی تمثیلیں) کہ خُدا کی بادشاہت کے اور ابلیس کی حکومت کے فرزند اس دُنیا میں ایک ساتھ ہی ترقی کرتے ہیں پر آخر کار ایک وہ دن بھی آ رہا ہے جبکہ

وہ دونوں ایک دُوسرے سے علیحدہ کئے جائیں گے۔ راستباز تو ہمیشہ کی خوشی میں اور گناہگار ابدی آگ میں۔ اسی طرح متی ۲۵: ۱-۱۳ میں دس کنواریوں کی تمثیل ہے۔ جو ایک ساتھ دُلھے کی خوش آمدید کے لئے جاتی ہیں۔ مگر ان میں سے نصف ابدیت تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور باقی چھوڑ دی جاتی ہیں

دیکھو لوقا ۱۶: ۱۹-۳۱ ....

دولتمند اور لعزر کو دیکھئے۔ دنیا میں دونوں یکجا اور آخرت کو دونوں کے درمیان ایک بڑی جھیل۔

بے پھل انجیر کے درخت کی تمثیل (لوقا ۱۳: ۶-۹) کس طرح اس پر لعنت کی گئی۔

دو بیٹوں کی تمثیل (متی ۲۱: ۲۸-۳۲) سے بھی مستقبل کی علیحدگی اظہر ہے۔

توڑوں کی تمثیل (متی ۲۵: ۱۳-۳۰) اشرفیوں کی تمثیل (لوقا ۱۹: ۱۲-۲۷) اور اسی طرح سے اور بہت سے حوالجات سے عیاں ہے۔ کہ کس طرح سے وہ دردناک علیحدگی ظہور میں آئے گی۔ اور نیک اور بدکار کس طور سے علیحدہ کئے جائیں گے۔

(ب) اس علیحدگی یا جدائی کی وجوہات:

مذکورہ بالا تماثیل کے مطالعہ سے ہم اس ابدی علیحدگی کی مندرجہ ذیل وجوہات اخذ کرتے ہیں۔

۱۔ خدمت کی کمی یا کوتاہی:- دیکھو توڑوں کی اشرفیوں

کی ۔ بھیڑوں اور بکریوں کی ۔ دولتمند اور لعزر کی تمثیلیں ۔ ایسے گناہ کو ہم عمداً و قصداً گناہ کرنا کہتے ہیں ۔

۲ ۔ غفلت یا لاپروائی :۔ دس کنواریوں کی تمثیل ۔
انہوں نے کس درجے تک غفلت اور بے پروائی سے کام لیا ۔ پانچوں نے تو دور اندیشی سے اپنی عاقبت کو بنایا ۔ مگر دوسری پانچ غفلت میں پڑی رہیں ۔

۳ ۔ پھل کی کمی ۔ پھل نہ دینا :۔ بے پھل انجیر کا درخت ۔
یہ ان کی تمثیل ہے جو خدا کی بادشاہت کی اشاعت کے لئے کوئی پھل پیدا نہیں کرتے ۔ ہر وقت بے پروا اور غافل رہتے ہیں ۔

خود غرضی کی زندگی :۔ نادان دولتمند اور بیوفا خادم وغیرہ ۔ نیز ہر ایک گناہ کی اصل دراصل خود غرضی ہی ہے

۵ ۔ بدکاری اور نافرمانی :۔ گلتی ۵ : ۱۹ - ۲۲ ۔ میں ہم کو جسم کے پھل بتائے گئے ہیں ۔ یعنی حرامکاری ۔ ناپاکی ۔ شہوت پرستی ۔ بت پرستی ۔ جادوگری ۔ عداوتیں ۔ جھگڑا ۔ حسد ۔ غصہ ۔ تفرقے ۔ جدائیاں ۔ بدعتیں ۔ بغض ۔ ناچ رنگ وغیرہ ۔ ایسے کام کرنے والے خدا کی بادشاہت میں شامل نہ ہونگے ۔

افسی ۵ : ۳ ۔ اور جیسا کہ مقدسوں کو مناسب ہے ۔ تم میں حرامکاری اور کسی طرح کی ناپاکی یا لالچ کا ذکر تک نہ ہو ۔

کلسی ۳ : ۵ :۔ اور لالچ کو جو بت پرستی کے برابر ہے کیونکہ

کوئی بھی لالچ کرنے والا خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا

۶۔ راستبازی کی زندگی :۔ اور یہ زندگی اُن کی ہے۔ جو ایمان کے وسیلے سے خدا کے فرزند کہلاتے ہیں۔ وُہ بچائے جائیں گے۔ اور ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہونگے۔

سوم :۔ اس علیحدگی کی ضرورت اور اہمیت۔

اب ہم ذیل میں ان وجوہات کا مختصر سا ذکر کرینگے۔ جن کی وجہ سے یہ علیحدگی ضروری ہے۔

(الف) خدا پاک ہے۔ اور اس کی پاکیزگی گناہ سے متنفر ہے۔ لہٰذا وُہ گناہگار کو بہشت کا وارث نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ اگر وُہ اس کو بغیر کسی شرط کے داخل ہونے دیتا ہے۔ تو وُہ غیر منصف ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا گناہگار کی توبہ ضروری ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو علیحدگی ہے۔

(ب) نیز انسان جس چیز کو پسند نہیں کرتا۔ اس کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتا۔ اور جس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس کی عدم موجودگی کا احساس بھی نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس کی وجہ سے محظوظ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک لڑکا ہے جو کہ اپنی ضد کی وجہ سے کسی بہترین کھانے سے گریز کرتا ہے۔ کیا وُہ اس کھانے کا حظ اس کے بغیر کھائے بھی اٹھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آسمان کی بادشاہت بھی ایسی ہی ہے۔ خدا آسمان کی بادشاہت مع اس کی برکتوں کے انسان کو دیتا ہے۔ مگر اس گنہگار انسان کی زندگی پر افسوس جو اس کی اس بخشش کا بغیر اندازہ کئے ہی انکار کر دیتا ہے۔ اور اس کے لطف اور خوشی سے بہرہ اندوز نہیں ہوتا۔

۴۔ بہشت اور دوزخ :۔ بہشت یا فردوس ان تمام برکتوں اور نعمتوں کا نام ہے۔ جو ایک نجات یافتہ کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ کلام اس حالت کو "ہمیشہ کی زندگی" "جلالی زندگی"۔ "اطمینان کی زندگی"۔ مقدس خدمت و عبادت۔ خدا کے ساتھ اس کا علم رکھتے ہوئے شراکت کاملیت اور بہشتی اور ہم میراث وغیرہ کے عجیب ناموں سے نامزد کرتا ہے۔ لہٰذا بہشت ان تمام اچھی اور خوبصورت برکتوں کا ایک مجموعہ ہے جو کہ پیارا آسمانی باپ ہم کو دیتا ہے۔ اور ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا لازم ہے کہ اس پر کامل ایمان رکھیں۔ مقابلہ یوحنا کی انجیل ۱۴ باب۔

۵۔ دوزخ :۔ گنہگار یا بدکار کا آخری حصہ یا عجزہ ہے جس کا ذکر کلام پاک اس طرح کرتا ہے۔ ابدی آگ۔ اتھاہ گڑھا۔ ظلمت یا تاریکی۔ رونا اور دانتوں کا پیسنا۔ ابدی ہلاکت۔ دوسری موت۔ خدا سے ابدی جدائی۔ اور جدائی ہر ایک اس چیز سے جو خدا کی نظر میں بہتر اور خوبصورت ہے۔ اور آخر کار

خداوند مسیح کی بادشاہت سے جدائی جو سب سے بدترین اور مشکل ترین جدائی ہے۔

چہارم۔ مسیح کی آمد ثانی

کلام پاک کے سب سے مشکل مضمونوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ جس کے متعلق علماء کے مختلف خیال ہیں۔ نیز آئندہ کے متعلق معلوم کرنے سے خوشی ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہماری مسیحی زندگی کا خداوند کی دوسری آمد کے وقت کیا انجام یا صلہ ہوگا۔ مگر بعض کہتے ہیں۔ کہ اس کو معلوم کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ زندگی خدا پر ایمان اور اعتقاد کی زندگی ہے۔ اور ہمارا مستقبل اسی باپ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کی پیروی کرنا ہمارے لئے لازمی ہے۔ خواہ کتنی بھی تکالیف کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

ذرا ہم سوچیں۔ کہ اگر مناسب اور ضروری ہوتا تو کیا خدا جس نے ہمارے ہاتھ میں تمام بحری اور بری اشیاء کو مکمل طور پر سونپ دیا ہے۔ مستقبل کو نہ سونپ دیتا؟ نیز جس طرح اس نے نجات اور اس کے حصول کے وسائل بیان کئے ہیں اس کو بھی نہ کر دیتا۔ لہٰذا جب اس نے یہ سب نہیں کیا تو یہ ایک ایسا بھید ہے جس کو وہ افشا نہیں کرنا چاہتا۔

مسیحی زندگی کی علت غائی یہ ہے۔ کہ وہ اپنے منجی کی دوسری آمد پر ایمان رکھتے۔ کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے۔ کہ وہ پھر آئیگا۔ نہ

محض اس کی طرف دیکھتا رہے۔ بلکہ جاگتا رہے۔ اور اس کا انتظار کرے۔

اوّل:- دوسری آمد کی حقیقت

خداوند نے خود اور اس کے شاگردوں نے واضح طور پر دوسری آمد کا ذکر کیا ہے۔ یہ امر بھی دیگر مسائل کی مانند واضح ہے۔ اور اس کی تمام تمثیلوں میں یہ بات منکشف ہے۔ نیز اس نے سردار کاہنوں کو یروشلم کی تباہی کی پیش گوئی کے وقت اور اپنی آخری کہانتی دعا کے وقت اپنے شاگردوں کو محض اسی سے وعدہ دیا۔ کہ وہ پھر آنے والا ہے۔

دوم:- اس کی آمد بہت جلد ہے۔

چاروں انجیلیں اس امر پر متفق ہیں۔ کہ ان کی دوسری آمد ان شاگردوں کی (متقدین کی) زندگی ہی میں ہوگی۔ یعنی خداوند نے یروشلم کی بربادی کی پیش گوئی کرتے وقت فرمایا۔ اور بربادی ۷۰ء میں ہوئی۔ نیز کلام کے مندرجہ ذیل حوالجات سے بھی ظاہر ہے۔ کہ آمد فوری ہے۔ دیکھو متی ۱۰:۲۴-۳۱۔ مرقس ۱۳:۱-۲۷۔ لوقا ۲۱:۱-۲۸۔ نیز اپنے مقدمہ کے وقت اس نے اپنی دوسری آمد کا ذکر کیا۔ متی ۲۶:۶۳-۶۴۔ مرقس ۱۴:۶۱-۶۲۔ لوقا ۲۲:۶۶-۶۹۔

ان حوالجات سے ہمارے دل میں کسی قسم کا شک بالکل نہیں آتا۔ البتہ یہ ضرور ظاہر ہے۔ کہ مسیح آنے والا ہے۔ اور اس کی آمد اچانک ہوگی۔

سوم :- آمد میں تاخیر۔

دوسری طرف اس کی تمثیلوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آسمان کی بادشاہت ایک ترقی کرنے والی چیز ہے۔ اسی لئے وہ دن بدن بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ مثلاً رائی کا دانہ۔ خمیر وغیرہ۔ یعنی پہلے دانہ گرتا ہے۔ پھر سڑتا ہے۔ اس کے بعد کونپل۔ ٹہنی۔ بال اور پھر بال میں اناج بھرتا ہے۔ اور یہ سب عروج اندرونی ہے۔ جو کہ بادشاہت کی ترقی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پر مشاہدے سے یہ البتہ عیاں ہوتا ہے۔ کہ ہنوز اس کی آمد میں دیر ضرور ہے۔ کیونکہ بادشاہت ترقی کر رہی ہے۔ اور ایسے زمانے میں سے ہو کر گزر رہی ہے۔ جو ایمانداروں اور بے ایمانوں دونوں کے لئے مشکل ترین ہے۔ اور انسانی تجربے سے ظاہر ہے۔ کہ خداوند کی شخصی آمد ہنوز ظہور پذیر نہیں ہوئی۔

چہارم :- مشکل کی تشریح :-

خداوند کے شاگردوں مثلاً یعقوب۔ پطرس اور پولوس کے دلوں میں پختہ یقین تھا۔ کہ خداوند ان کی عین حیات ہی میں ظاہر ہونگے۔ اور یہ امر دیگر ہے۔ کہ وہ کیوں نہیں ظاہر ہوئے نیز خداوند کی دو آمدیں ہیں۔ اول جسمانی اور دوسری روحانی روحانی نزول کا ذکر اعمال کی کتاب میں ہے۔ یعنی عید پنتیکوست کے دن سے لے کر آج تک وہ حسب ضرورت کلیسیا میں ہمیشہ نازل ہوتا اور مدد کرتا رہتا ہے۔ نیز جب کلیسیا پر ایذا رسانی

ہو رہی تھی۔ تو وہ ہمیشہ سب کے ساتھ رہا۔ اور ان کی امداد کی۔
لہذا وہ اس وقت سے اب تک ہمارے ہمراہ اور ساتھ رہتا ہے۔
پر اس کی دوسری یا جسمانی آمد ہنوز نہیں ہوئی۔ کیونکہ ابھی تک
اس کی بادشاہت اس قابل نہیں۔ کہ وہ آکر اس میں بادشاہت
کرے۔ اب یہ ثابت ہوا۔ کہ وہ اپنے شاگردوں کے یقین اور
ایمان کے مطابق آیا اور ان کے درمیان رہا۔ مگر روح القدس
کے لامحدود جامے ہیں۔

مگر ان موقعوں اور میعادوں کا صحیح طور پر جاننا اور مقرر
کرنا نہ صرف مشکل ہے۔ بلکہ محال ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے رب کا
خود قول ہے کہ ان باتوں کا جاننا باپ کا کام ہے۔ دیکھو متی
۲۴: ۳۶۔ مرقس ۱۳: ۳۲۔ اعمال ۱: ۷۔ ۲-پطرس ۳: ۱
۳-۱۲۔

نیز جو قیاس لوگوں نے مسیح کی آمد کے متعلق بیان کئے
ہیں۔ ان سب کا اظہار یہودی جنتری کے مطابق ہے۔ جو نہ
صرف غلط ہی ہے۔ بلکہ گمراہی کا راستہ ہے۔ ہم ان سب کے
متعلق بیان کرنا سودمند خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا ہماری
روحانی زندگی سے بالکل تعلق نہیں۔

ہم نے اب تک یہ معلوم کیا۔ کہ ہمارے خداوند کی دونوں
آمدوں میں سے پہلی یعنی روحانی آمد اس کے دنیا سے چلے جانے
کے بعد شروع ہوئی۔ اور دوسری جسمانی یا دیدنی مستقبل میں
ہونے والی ہے۔ مسیح کی دوسری آمد پر ایمان رکھنا بے حد

ضروری ہے کیونکہ وہ ہماری نجات کا ایک ضروری عنصر ہے۔ نیز یہ کچھ بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ انسان مسیحی زندگی۔ راہ اور حق اور زندگی اور دیگر مسیحی خوبیوں کو جن سے چلن اور عاقبت درست ہوتی ہے چھوڑ کر مستقبل کا متلاشی ہو جائے۔ اور آخرش کو ہاتھ ہی ملتا رہ جائے۔ اس لئے انسان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ خدا اور اس کے انتظام پر بچے کی طرح ایمان رکھے۔ اس نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے وہ اس کی نظر میں افضل اور بہتر ہے۔ کیونکہ وہی ہمارے مستقبل کا رکھوالا اور محافظ ہے۔ اس لئے لازم ہے۔ کہ اس زندگی کے دور میں اس کی مرضی کو کلیتہً پورا کیا جائے اور خوشی حاصل کی جائے۔

تیرھواں باب

کلامِ مقدس کے متعلق تعلیم

تمہید :- ہر ایک مذہب کی جو کہ اس کرۂ زمین پر ہے۔ کوئی نہ کوئی مذہبی کتاب ہے۔ جس کو وہ منجانب اللہ کہہ کر پکارتا اور جس پر بھروسہ رکھتا ہے۔ مثلاً مسلمان، یہودی، کنفیوشسٹ، زرتشت اور مسیحی کتب سماوی کے معتقد ہیں۔ اور ان ہی کتب کو اپنے اپنے مذاہب کا قانون تصور کرتے ہیں۔ مگر مسیحی مذہب کا خیال اور ہے۔ وہ اپنے آپ کو کتابی مذہب نہیں بلکہ زندگی یا شخصیت کا مذہب کہتا ہے۔ یعنی اس کا نصب العین محض کاغذوں کی پیروی یا توقیر تک محدود نہیں بلکہ زندگی کی تبدیلی اور شخصیت کی پاکیزگی پر منحصر ہے۔

کلامِ مقدس مندرجہ ذیل باتوں کا گواہ ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ :-

۱- خدا نے اپنا اظہار انسان پر کیا۔ اور بجز اظہار کے کوئی مذہب بھی خدا کی حقیقت اور اصلیت کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اسی لئے جس میں یہ اظہار نہیں۔ وہ من جانب اللہ نہیں۔

۲ - انسان پر یہ بھی ظاہر ہو۔ کہ خدا نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔ اس کو اس کی مرضی کا احساس اور اس کی محبت اور رفاقت کا تجربہ ہو۔ کہ اس نے ہر زمانے میں اپنے محبت کرنے والوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کئے ہیں۔

۳ - اس کو اس تحریر شدہ اور محفوظ کلام پر عبور ہو جو کہ اس کی ہم زبان جماعت کی بول میں لکھا جا چکا ہے۔ اب یہ تحریر شدہ اور محفوظ کلام بائبل مقدس ہے۔ جس کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ وہ زندہ خدا کو انسان پر ظاہر کرے۔ تاکہ وہ اس کی حضوری کا احساس کر کے اپنی زندگی کو تبدیل کرے اور حقیقی مذہب کو پہچانے۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے۔ کہ زندگی کا آغاز زندگی ہی سے ہوتا ہے۔ مسیحی زندگی کا ماخذ وہ زندہ مسیح ہے جو مردوں میں سے جی اُٹھا اور ابد تک جیتا ہے۔ جو ہم کو رُوح القدس انعام میں دیتا ہے۔ جو ہمارا مددگار اور ہمدرد ہے۔ کلام مقدس بھی ہماری زندگیوں کے بسر کرنے میں ہماری بہت امداد کرتا ہے۔ اس میں گزشتہ زمانے کے خدا پرست لوگوں کی زندگیوں کے تجربے ہیں۔ یہی کلام انسان کو مسیح کے ذریعے خدا باپ سے ملاتا ہے۔ جو کہ زندگی اور مذہب کا ماخذ ہے۔ سب مذہبی تجربات کلام سے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان سب کا منبع زندہ خدا ہے۔ ہم کلام مقدس کے بغیر خدا سے میل ملاپ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ خدا اور مسیح ہی ایسے ذریعہ ہیں جن سے ہم رُوحانی زندگیوں میں امداد پاتے ہیں۔

دوم :-

بائیبل مقدس

لفظ بائیبل درحقیقت ایک یونانی لفظ (Τα βιβλια) (The books) ہے۔ جس کی جمع βιβλια ہے اور مصدر βιβλος۔ یہ لفظ یونانی پپائرس (جو ایک قسم کا پودا ہوتا ہے۔ جس سے کتابیں بنانے کے لئے کاغذ تیار ہوتا تھا) کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ مگر ہمارا لفظ بائیبل دراصل لاطینی ترجمے سے (جو دراصل یونانی لفظ ہے) ہم تک پہنچا ہے۔ اور لاطینی زبان میں یہ لفظ واحد ہی استعمال ہوا ہے۔ اور یہ درست بھی ہے۔ کیونکہ ہم بائیبل مقدس کو کتاب (واحد) ہی کہیں گے نہ کہ کتابیں گو اس میں چھیاسٹھ کتابیں موجود ہیں۔

ہماری موجودہ بائیبل دو حصے ہیں :- پرانا اور نیا عہدنامہ۔ یا عہد عتیق اور عہد جدید۔ پرانے عہدنامے میں ۳۹ اور نئے عہدنامے میں ۲۷ کتابیں ہیں۔ علماء کا گمان ہے۔ کہ اس تمام مجموعے کے فراہم کرنے میں ۱۲ سو سال صرف ہوئے۔ مگر یہ کوئی بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ کب اور کہاں لکھی گئیں۔ اور نہ ہی ان خدا کے ہدایت یافتہ بندوں کا احوال معلوم ہے۔ جنہوں نے ان کو لکھا۔ بالخصوص ایوب۔ روت۔ سموئیل سلاطین اور چند مزامیر کے لکھنے والوں کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ کون تھے۔

عہد عتیق یا پرانے عہدنامے کو یہودی تین حصوں میں تقسیم کرتے

ہیں :-

۱ - شریعت جس میں موسےٰ کی پانچوں کتابیں شامل ہیں

۲ - مقدم اور مؤخر انبیاء - مقدم یعنی - یشوع - قضاۃ
سموئیل - سلاطین - یشعیاہ - یرمیاہ - حزقی ایل وغیرہ -
اور موخر میں بارہ انبیائے اصغر شامل ہیں -

۳ - منظوم کتابیں :- مزامیر - امثال - ایوب - پانچوں
طومار :- غزل الغزلات - روت - نوحہ - واعظ - آستر -
ا:- نیز دانی ایل - عزرا - نحمیاہ اور تواریخ - یہ اُن
کی حصہ بہ حصہ تقسیم ہے

- - - - - - - - - - - -

مگر رانے عہدنامہ کی موجودہ تقسیم یوں ہے :-
شریعت - تواریخ - مقدم اور موخر انبیاء -

نئے عہدنامے کی تصنیف کی تاریخ سنہ ۵۰ء سے سنہ ۱۰۰ء
تک ہے - اس کی ستائیس ۲۷ کتابوں کی تقسیم حسب
ذیل ہے :-

اناجیل چار - تاریخ کی کتاب ایک - پولوس رسول
کے خطوط ۱۳ - عام خطوط ۸ - اور آخر میں یوحنا
عارف کا مکاشفہ -

کلام مقدس علاوہ روحانی ہونے کے یہودی قوم کا بہترین
لٹریچر بھی ہے - جس میں ان اعلےٰ ترین خیالات - تصورات اور
انکشافات کا اظہار ہے جو کہ انبیاء نے الہام الٰہی کی امداد سے
پایا - اس میں نظم - تواریخ اور فلسفہ تینوں موجود ہیں -

تواریخی نقطہ نگاہ سے یہ دنیا کی پیدائش اور اس کی ترقی کا ذکر کرتی ہے۔ بالخصوص یہودی قوم کہ وُہ کس طرح خُدا کی امداد اور قدرت سے بڑھتی گئی۔ اور کس طرح سے خدا نے ان پر اپنا بتدریج انکشاف اور اظہار کیا۔

مذہبی کتاب کے لحاظ سے وُہ خدا کی مرضی اور اس کے انکشاف کا تحریری مجموعہ ہے۔ جوکہ اس نے اپنی رحمت اور شفقت سے بنی نوع انسان پر کیا۔ دیکھو عبرانی ۱:۱-۲ آیات:-

"اگلے زمانے میں خدا نے باپ دادوں سے حصّہ بہ حصّہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کرکے اس زمانے کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا۔ جسے اُس نے ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا۔ اور جس کے وسیلے سے اس نے عالم بھی پیدا کئے۔" بائبل ہی ایک واحد کتاب ہے۔ جو زندگی اور نجات کے متلاشیوں کی رہبر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وُہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا۔ زندہ اور زندگی بخشنے والا کلام ہے۔

سوئم:-

کلام مقدّس کس طرح ہم تک پہنچا

۱:- نسخے:- الہام کے وسیلے سے خدا نے اپنے بندوں پر اپنی مرضی کا اظہار کیا۔ اور انہوں نے اس رویا کو انسانی بولی میں انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے تحریر کیا۔ عہد عتیق عزرا اور دانی ایل کے چند حصّوں کے علاوہ پورا عبرانی زبان میں ہے۔ اور عزرا اور دانی ایل کے چند حصّے ارمنی زبان میں ہیں۔ اسی

طرح نیا عہد نامہ تمام یونانی زبان میں جو اس وقت شاہی زبان تھی مرقوم ہے۔

ہمارے پاس بائیبل کے وُہ پرانے نسخے جو ان قدیم زمانے کے لوگوں کے پاس تھے نہیں ہیں۔ مگر وُہ ۲۰۰۰ ہزار سال سے پرانے نسخے جو ان سے نقل کئے گئے ہمارے پاس ہیں۔ ایک خوبی ان نسخوں میں یہ ہے کہ یہ سب ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں کوئی چھاپہ خانہ نہ تھا۔ مگر یہ ضرور ہے۔ کہ ان ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخوں کا پتہ تیسری اور چوتھی صدی تک ہی ملتا ہے کیونکہ عبرانی کے سب سے قدیم نسخے ۹۱۶ء، ۸۹۵ء اور ۱۰۰۹ء تک ہی کے ملتے ہیں۔ اس کے پہلے کے نسخے اس لئے ہمارے پاس موجود نہیں کہ یہودی قوم اپنے دستور کے مطابق نئے نسخوں کے تیار ہونے پر قدیم نسخوں کو دفن کر دیا کرتی تھی۔ ہماری موجودہ بائیبل ان عبرانی اور یونانی ترجموں سے تیار کی گئی جو یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۲۔ **قانون:۔** اب قانون یا (Canon) ان کتابوں کے مجموعے کا نام ہے۔ جو بہت سی کتابوں سے علیحدہ کر کے قانون ٹھہرائی گئیں۔ اور جو ہماری موجودہ بائیبل میں موجود ہیں۔ بائیبل کی ان کتابوں کے علاوہ اور بہت سی کتابیں بھی ہیں۔ جن کو اپوکریفل کتابیں کہتے ہیں۔ یہ دونوں عہد ناموں کے ساتھ ہیں۔ ان کے علاوہ آبائے کلیسیا کی اور چھوٹی تحریریں بھی ہیں۔ جن کو (PSEUDOEPIGRAPHA) بھی کہتے ہیں۔

اس تمام مجموعہ میں سے علماء اور آبائے کلیسیاء نے ۶۶ کتابوں کو منتخب کر لیا۔ اور انہیں کو قانون (Canon) یا ایمان کی بنیاد قرار دیا۔

مختلف کتب کے قانون ٹھہرائے جانے کی تاریخ :۔

۱۔ شریعت کی پانچ کتابیں ۔ ۴۲۱ - ۴۴۴ قبل از مسیح

۲۔ عبرانی تقسیم کے مطابق انبیاء کی تصانیف ۲۰۰

۳ دیگر حصے تقریباً ایک صدی قبل از مسیح میں تسلیم ہوئے

جامینا (Jamnia) کی کونسل میں جو ۹۰ء میں منعقد ہوئی یہ بائیبل کلیتہً قانون ٹھہرائی گئیں۔ مگر یہ خیال ضرور رہے ۔ کہ ابتداء سے اس وقت تک اور اب تک یہ کلام ربانی ہی مانا گیا اور مانا جاتا ہے۔ مگر اس کونسل کے بعد یہودی پختہ طور پر اس پر عمل پیرا ہوئے۔

نئے عہدنامے کی کتب کی تاریخ جیسے کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ۵۰ء سے ۱۰۰ء کے درمیان ہے۔ اسی عرصے کے درمیان یہ خدا کے بندوں کے ذریعہ سے لکھی گئی ۔ اور ۳۹۷ء میں کارتھیج کی کونسل پر یہ قانون (Canon) ٹھہرائی گئی۔ اور باقی غیر ضروری کتب کو علیحدہ کر دیا۔

ٹرنٹ کی کونسل میں جو ۱۵۴۶ء میں منعقد ہوئی رومن کیتھولک مسیحیوں نے کلام مقدس کو از سر نو ترتیب دی۔ اور آپوکرافا کو کلام مقدس میں ان الفاظ کے ساتھ شامل کر لیا۔ جو حسب ذیل ہیں :۔

"اگر کوئی آدمی ان تمام کتابوں کو مع ان کے اصُول کے پاک
مقدس اور با اختیار نہ مانے گا۔ تو وُہ ملعون ٹھیرے گا"۔ پر پروٹسٹنٹ
خیال کے لوگوں نے یہودیوں کے ہمراہ اتفاق کیا۔ اور اب وہی
بائیبل موجُود ہے۔ جو آج تک دونوں کا قانُون ہے۔

اب قانُون یا (Canon) ان انتخاب شُدہ کتابوں کے
مجموعے کو کہتے ہیں۔ جن کے صادق۔ الہامی اور منجانب اللہ ہونے
پر خُدا کی مُہر ہے۔ اور کتابِ مُقدّس نے اپنی صداقت سے ظاہر بھی
کر دیا۔ کہ وُہ خُدا کا الہامی کلام ہے۔ اس لئے اس میں نہ کوئی
زیادہ کر سکتا ہے نہ کم۔

۳۔ ترجمے:۔ اصلی عبرانی اور یُونانی قدیم نسخوں سے
ملکی اور رائج زبانیں جتنے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ہم ان کو اس عنوان
کے زیرِ بیان کریں گے۔ ہم نے معلُوم کیا ہے۔ کہ پُرانے زمانے میں
بہت سے ترجمے موجود تھے۔ مگر موجودہ زمانے میں پاک کلام کا
ترجمہ ۹۰۰ زبانوں سے بھی زیادہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ چند
مشہور ترجمے یہ ہیں:۔

۱۔ سپٹواجنٹ[۸۱] ستروں کا ترجمہ۔ یہ ترجمہ یُونانی
زبان میں سکندریہ میں تیسری صدی قبل از مسیح میں ہُوا۔ اور یہ
ہی ترجمہ اس وقت سب مُلکوں میں جو یونانی زبان سے واقف
تھے رائج تھا۔ پولُوس اور دیگر مشنریوں نے بھی اسی کو
استعمال کیا۔

۲۔ ٹارگومز[۸۲] آرمیک زبان کا ترجمہ جو پانچویں صدی

[۸۲] Targomas. [۸۱] Septuagint.

کا سب سے قدیم نسخہ کہلاتا ہے۔

۳۔ سریانی ترجمہ:۔ جس کی سب سے قدیم جلد ۴۶۴ء میں تیار ہوئی۔

۴۔ (Vulgate) ولگیٹ یہ لاطینی بائبل ہے۔ جس کو جیروم صاحب نے اصل نسخے سے ۳۸۲-۳۸ء میں ترجمہ کیا۔ یہی رومن کیتھولک کی بائبل کہلاتی ہے۔

۵۔ انگریزی ترجمہ:۔ سب سے پہلا ترجمہ انگریزی زبان میں جان وکلیف صاحب نے ۱۳۸۰-۱۳۸۲ء میں کیا۔ ولیم ٹنڈیل صاحب نے عبرانی اور یونانی نسخوں سے ۱۵۲۵-۱۵۲۶ء میں ایک اور بائبل ترجمہ کرکے شائع کی۔

کورڈیل (Coverdale) بائبل ۱۵۳۵ء میں تیار ہوئی۔

میتھو بائبل ۱۵۳۷ء میں (Tauner) ٹیونر ۱۵۳۹ء میں میتھو صاحب کی بائبل کی نظرثانی کرنے کے بعد شائع ہوئی۔

(The great Bible) بائبل اعظم کورڈیل صاحب کی نظرثانی کرنے کے بعد ۱۵۴۰-۴۱ء میں شائع ہوئی۔

۱۵۵۷ء میں جینوا کے اہل صف لوگوں نے ایک بہت ہی عمدہ بائبل تیار کی۔ جس کا نام انہوں نے "جنوا بائبل" رکھا۔ اور چونکہ یہ بائبل بہت خوبصورت چھوٹی اور سستی تھی۔ اس لئے اس کا استعمال بہت سالوں تک رہا۔

۱۵۶۸ء میں "بشپ کی بائیبل" تیار کی گئی۔ اس کی تیاری کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ انگلیکن لوگ اہلِ صفائی (Puritan) بائبل کا استعمال کریں۔ لہذا انہوں نے اپنے لئے اصلی زبان سے ایک نیا ترجمہ تیار کر لیا۔

انگریز کیتھولک جماعت کو اپنا وطن ترک کر کے Douay اور Rheims کے مقاموں میں جانا پڑا۔ لہذا انہوں نے ۱۵۸۲ء ۱۶۰۹ء کے درمیان Vulgate سے ایک ایک انگریزی ترجمہ تیار کیا۔

انگریزی زبان کا سب سے اعلیٰ اور پرانا ترجمہ جس کو شاہ جیمس کا ترجمہ (King James version) کہتے ہیں ۱۶۱۱ء میں شائع ہوا۔ یہ ترجمہ سب سے اعلیٰ اور قدیم ہے۔ اسی وجہ سے اس کا استعمال ابھی تک کیا جاتا ہے۔ یہ عبرانی اور یونانی کے اصل نسخوں سے تیار ہوا۔ اور اس کی تیاری میں ویسٹ منسٹر، آکسفورڈ اور کیمبرج کے علماء نے مدد دی۔

۱۸۸۱ء اور ۱۸۸۵ء کے درمیان ایک اور ترجمہ ہوا۔ جس میں امریکہ کے علماء سے مشورہ کیا گیا۔ مگر ان کی رائے کو ترجمہ میں شامل نہ کیا گیا۔ ۱۹۰۱ء میں امریکی نظرثانی کردہ بائیبل شائع ہوئی۔ یہ ترجمہ بھی اپنے میں بہت سی خوبیاں رکھتا ہے۔ اور ایسے لوگ بہت ہی چاہت سے خریدتے ہیں۔

۱۶۱۱ء کے بعد جب کہ جیمس بادشاہ کی بائیبل تیار ہو چکی تو اور بہت ہی پرانے نسخے ملے۔ نیز زبان کی ترقی۔ لفظوں

Revised ed.

کے معنوں میں رد و بدل گرامر میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے ۱۹۱۱ء والی بائیبل کی پھر نظرثانی ہوئی۔ اور پھر کلام مقدس دوبارہ چھپکر تیار ہوا۔

چہارم :۔ کلام خدا کا اختیار و قدرت :۔

دراصل سب اختیار اور قدرت خدا ہی کے ہیں۔ اور بجز خداوند یسوع مسیح اور روح القدس کے جس میں خدا نے اپنی سب خوبیوں کا اظہار کیا۔ کوئی دوسری صداقت یا اختیار نہیں۔ نیز وہ ہر ایک کو جو کہ اس کی مرضی پر چلتا اور اس کے ارادے کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہی اختیار دیتا ہے۔ مگر جو اس کا منکر ہوتا ہے وہ سزا پاتا ہے۔ کلام مقدس خدا کے اس مکاشفے کا صحیح تحریر ہے جو کہ اس نے خداوند مسیح کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو حاصل ہوا اور اس میں اس کی مرضی۔ زندگی اور نجات کی وہ تجویز موجود ہے۔ جو وہ تمام مخلوقات کے لئے رکھتا ہے۔

خدا نے اپنے خاص اور برگزیدہ اشخاص پر الہام کے ذریعہ سے اپنی مرضی کا اظہار کیا اور انہوں نے انسانی بولی میں اسے لکھا۔ اسی وجہ سے ہم کلام مقدس کو الہامی کہتے ہیں۔

ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ سٹرانگ صاحب الہام کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

"الہام خدا کے روح کے ذریعہ سے انبیاء کے دماغوں پر ایک کیفیت کا نام ہے۔ جس کے زیر اثر وہ خدا کی مرضی اور اس

کے ارادے کا انکشاف بنی نوع انسان پر کرتے ہیں"۔ وہ کامل ہے۔ جب کہ وہ رُوح القدس کی امداد سے پڑھا جائے۔ جس نے اُس کو الہام کیا۔ تو وہ ہر ایک سچے متلاشی کو مسیح اور اس کی نجات کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ڈاکٹر اور (Orr .Dr) اس کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ "تو بچپن سے ان پاک نوشتوں سے واقف ہے۔ جو تجھے مسیح یسوع پر ایمان لانے سے حاصل کرنے کے لئے دانائی بخش سکتے ہیں"۔ ۲ تموتھی ۳: ۱۵

۲۔ "ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے تعلیم اور الزام اور اصلاح اور راستبازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہے تاکہ مردِ خدا کامل بنے اور ہر ایک نیک کام کے لئے بالکل تیار ہو جائے"۔ ۲ تموتھی ۳: ۱۶-۱۷

۳۔ ان تمام باتوں سے۔ جو کہ کلام نے تواریخ۔ اخلاقیات اور سوسائیٹی اور نسلِ انسانی کے لئے کیا ہے۔ اور جس میں اس نے اپنے الہامی ہونے کو ثابت کیا ہے ظاہر ہے۔

خدا نے مختلف اشخاص کے لئے علیحدہ علیحدہ مکاشفہ نہیں کیا۔ بلکہ اس کا کلام ہر ایک عالم اور چھوٹے بڑے کے لئے یکساں ہے۔ اسی لئے اگر بائیبل اور سائینس کو علیحدہ علیحدہ سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ان میں مطابقت پائی جاتی ہے نہ کہ تضاد۔ کیونکہ بائیبل کا محض ایک ہی مقصد ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ

مقدس اور پاک خدا کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے تاکہ وہ راستبازی اور محبت کی زندگی روح القدس کی امداد سے بسر کریں۔ اسی وجہ سے بائبل کو زندگی کی کتاب بھی کہتے ہیں نیز جب اس کا تجربہ کیا جاتا ہے تو وہ کامل ثابت ہوتی ہے۔ لہذا ماننا پڑتا ہے۔ کہ اس کا زندگی دینیوالا اور نجات بخشنے والا پیغام لامحدود اور مقدس باپ ہے۔ جو سب کا خالق اور پیار کرنے والا ہے۔ فقط

تمام شد